سلسلہ عقیدۂ توحید

تعظیم اور عبادت

(بعض غلط فہمیوں کا ازالہ)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

www.MinhajBooks.com

تعظیم

اور

عبادت

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

www.MinhajBooks.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

دَعَا اِلَی اللّٰہِ فَالْمُسْتَمْسِکُوْنَ بِہٖ
مُسْتَمْسِکُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرِ مُنْفَصِمِ

﴿صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

www.MinhajBooks.com

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴ / ۹۷۰-۳۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۱۱۴۴۲-۶۷ این۔۱ / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : **تعظیم اور عبادت**

خطبات و دروس : **شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**

تحقیق و تدوین : ڈاکٹر علی اکبر قادری الازھری، محمد تاج الدین کالامی

معاونِ تحقیق : حافظ فرحان ثنائی

زیرِ اِہتمام : فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ **Research.com.pk**

مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اَوّل : جنوری **2007**ء **1,100**

اِشاعتِ دوم : فروری **2008**ء

تعداد : **1,100**

قیمت اِمپورٹڈ کاغذ : **-/170** روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، **CDs** اور **DVDs** سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	**تعظیم اور عبادت**
خطبات و دروس	:	**شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری، محمد تاج الدین کالامی
معاونِ تحقیق	:	حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	جنوری 2007ء 1,100
اِشاعتِ دوم	:	فروری 2008ء
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	-/130 روپے

❁ ❁ ❁

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

فہرس

مشتملات	صفحہ
❖ پیش لفظ	۱۵
باب اوّل	
تعظیم کا معنی و مفہوم اور اس کے اِطلاقات	۱۷
فصل اوّل: تعظیم کا معنی و مفہوم	۱۹
۱۔ تعظیم کا لغوی معنی و مفہوم	۲۱
۲۔ تعظیم کا شرعی معنی و مفہوم	۲۳
۳۔ تعظیم کے اطلاقات	۲۵
(۱) محترم و معزز شخصیات کی تعظیم	۲۶
(۲) شعائر اللہ کی تعظیم	۲۸
۴۔ تعظیم کی اَقسام	۲۹
۵۔ اِنتہائی تعظیم حضور نبی اکرم ﷺ کا حق ہے	۳۹
۶۔ تعظیمِ رسول ﷺ توحید باری تعالیٰ سے متصادم نہیں	۴۰

www.MinhajBooks.com

صفحہ	مشتملات
۴۲	۷۔ تعظیمِ خداوندی اور تعظیمِ رسول ﷺ حقیقتِ واحدہ ہیں
۴۵	۸۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں (ابن تیمیہ کا عقیدہ)
۴۶	۹۔ ذکرِ الٰہی کی قبولیت تعظیمِ رسول ﷺ سے مشروط ہے
۴۷	۱۰۔ اَدب و تعظیمِ رسول ﷺ ایک نازک اِیمانی امتحان
۴۸	۱۱۔ شعائر اللہ کی تعظیم، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید قرار پائی
۴۹	۱۲۔ منسوب جانور کے مقابلے میں اولیاء اللہ کی تعظیم کا مقام
۵۳	**فصل دوم: عبادت اور تعظیم میں فرق**
۵۵	عبادت کا معنی و مفہوم
۵۸	جمہور مفسرین کا نقطۂ نظر
۶۴	ہر تعظیم عبادت نہیں
۶۵	مشرِکین کے شرک کی اصل وجہ
۷۰	مشرکین کے جھوٹ کی حقیقت
۷۴	شرعاً تعظیم کے جائز اور واجب طریقے
	باب دوم
۷۵	**تعظیم بالمحبت اور اُس کی اَقسام**

صفحہ	مشتملات
۷۷	فصل اَوّل: محبت کا معنٰی و مفہوم اور اقسام
۷۹	محبت کا لغوی معنٰی و مفہوم
۸۷	محبت کا اصطلاحی مفہوم
۸۸	محبت کی اقسام
۸۸	۱۔ محبتِ واجبہ
۸۸	(ا) محبتِ الٰہی
۹۰	(ب) محبتِ رسول ﷺ
۹۲	محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ ایک ہی ہے
۹۵	محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ اصلِ اعمال ہیں
۹۶	(ج) محبتِ اہلِ بیت اَطہار و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۹۸	(د) محبتِ اولیاء اور صالحین
۱۰۰	۲۔ محبتِ محمودہ
۱۰۲	۳۔ محبتِ محرّمہ
۱۰۳	۴۔ محبتِ مذمومہ
۱۰۵	محبت اور عبادت میں فرق

مشتملات	صفحہ
فصل دوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعظیم بالمحبت کی مثالیں	۱۰۷
ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے عملی مظاہر	۱۰۹
۱۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بے انتہاء تعظیم کے مختلف مظاہر	۱۰۹
تعظیم و توقیرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور توحید باری تعالیٰ	۱۱۲
۲۔ دورانِ نماز انتہا درجہ کی محبت و تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۱۳
صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعظیمِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عبادتِ الٰہی سے توجہ ہٹا لی	۱۱۵
۳۔ تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کعبہ سے توجہ ہٹانا، ناقص صلوٰۃ نہیں	۱۱۸
۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جان سے عزیز تر جاننا تکمیل ایمان کی سند	۱۲۳
۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر طوافِ کعبہ بھی گوارا نہیں	۱۲۳
۶۔ اطاعتِ علی رضی اللہ عنہ اور معجزہ ردّ شمس	۱۲۴
۷۔ معیارِ نجات محض اعمال نہیں	۱۲۶
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب اشیاء کی تعظیم	۱۲۸
۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ مبارک کی تعظیم	۱۲۸
۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک کی تعظیم	۱۳۱

مشتملات	صفحہ
۳۔ حضور ﷺ کی سنتِ طیبہ اور حدیثِ مبارکہ کی تعظیم	۱۳۳
۴۔ حضور ﷺ کے موئے مبارک کی تعظیم	۱۳۴
۵۔ حضور ﷺ کے مبارک لعابِ دہن کی تعظیم	۱۳۵
۶۔ حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کی تعظیم	۱۳۵
۷۔ حضور ﷺ کے ماءِ مستعمل کی تعظیم	۱۳۷
۸۔ حضور ﷺ کے نعلینِ مبارک کی تعظیم	۱۳۸
۹۔ حضور ﷺ کی مبارک جائے عبادت کی تعظیم	۱۳۹
۱۰۔ حضور ﷺ کے منبر مبارک کی تعظیم	۱۳۹
۱۱۔ حضور ﷺ کے آثارِ مبارک کی تعظیم	۱۴۰
۱۲۔ حضور ﷺ کے مقدس شہرِ اِقامت کی تعظیم	۱۴۲
۱۳۔ حضور ﷺ کی قبرِ انور کی تعظیم	۱۴۵
۱۴۔ حضور ﷺ کے اہلِ بیت و اصحاب رضی اللہ عنہم کی تعظیم	۱۴۸
تعظیمِ رسول ﷺ استغراق فی التوحید کے منافی نہیں	۱۵۰
فصل سوم: تعظیم بالقیام	۱۵۵
۱۔ قیام کا لغوی معنی و مفہوم	۱۵۸

صفحہ	مشتملات
۱۵۸	۲۔ قیام کا شرعی معنی و مفہوم
۱۵۹	۳۔ کیا ہر قیام عبادت ہے؟
۱۶۱	قیامِ تعظیمی اَز روئے سنت جائز ہے
۱۶۱	قیامِ تعظیمی کی اقسام
۱۶۱	(۱) قیامِ اِستقبال
۱۶۳	(۲) قیامِ محبت
۱۶۵	(۳) قیامِ فرحت
۱۶۶	(۴) قیامِ تعظیم
۱۶۶	☆ قیامِ استقبال اور قیامِ تعظیم میں فرق
۱۶۷	(۵) قیامِ اکرام انسانی
۱۶۹	(۶) قیامِ ذکر
۱۷۰	(۷) قیامِ صلوٰۃ و سلام
۱۷۱	صلوٰۃ کا معنی...... درود و سلام
۱۷۳	حضور ﷺ کے لئے صحابہ کے تعظیماً قیام کا معمول
۱۷۴	نماز اللہ کے لئے اور اقامت مصطفیٰ ﷺ کے لئے
۱۷۸	محافل میلاد میں قیام، استقبال کے لئے نہیں تعظیماً ہے
۱۸۰	ممانعتِ قیام کے اسباب

مشتملات	صفحہ
اباحتِ قیام کے اسباب	۱۸۱
فصل چہارم: تعظیم بالتقبیل	۱۸۳
تقبیل کا لغوی معنی و مفہوم	۱۸۵
تقبیل کا شرعی معنی و مفہوم	۱۸۶
تقبیل ہے ہی مخلوق کے لئے	۱۹۰
اَقسام تقبیل	۱۹۱
ا۔ تقبیلِ عبادت	۱۹۱
۲۔ تقبیلِ تبرک	۱۹۲
۳۔ تقبیلِ محبت و فرحت	۱۹۵
۴۔ تقبیلِ مودّت و رحمت	۱۹۷
۵۔ تقبیلِ حرام	۱۹۹
تعظیم بالتقبیل ہرگز منافیٔ توحید نہیں	۲۰۰
فصل پنجم: تعظیم بخلع النعال	۲۰۱
موسیٰ علیہ السلام کو مقدّس وادی سینا میں جوتے اتارنے کا حکم	۲۰۳
قبرستان کی تعظیم میں جوتے اتارنے کا حکم	۲۰۶

صفحہ	مشتملات
۲۰۷	کسی متبرک مقام کی تعظیم میں جوتے اتار کر چلنا جائز ہے
	باب سوم
۲۰۹	**شرعی تعظیمات**
۲۱۱	**فصل اول: بعض واجب تعظیمات**
۲۱۴	۱۔ تعظیمِ قرآن
۲۱۷	۲۔ تعظیمِ حدیث
۲۲۰	۳۔ تعظیمِ اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم
۲۲۴	۴۔ تعظیمِ صحابہ رضی اللہ عنہم
۲۲۵	۵۔ تعظیمِ اَولیاء اللہ
۲۲۹	۶۔ تعظیمِ اکابرین و مشائخ
۲۳۲	۷۔ تعظیمِ والدین
۲۳۹	۸۔ تعظیمِ شہورِ مقدّسہ
۲۴۱	۹۔ تعظیمِ ایامِ مقدسہ
۲۴۱	(۱) پیر کے دن کی تعظیم

مشتملات	صفحہ
(۲) یومِ جمعہ کی فضیلت	۲۴۳
۱۰۔ تعظیمِ اماکنِ مقدسہ	۲۴۷
(۱) مکہ مکرمہ کی حرمت اور فضیلت	۲۴۷
(۲) مدینہ منورہ کی حرمت و تعظیم	۲۴۸
(۳) مسجد اقصیٰ کی حرمت و فضیلت	۲۴۹
(۴) ملک شام کی حرمت	۲۵۰
(۵) مقدس وادئ طویٰ کی حرمت	۲۵۰
(۶) اہلِ مدینہ کی حرمت اور تعظیم	۲۵۱
فصل دوم: بعض ممنوعہ تعظیمات	۲۵۵
۱۔ سجدۂ تعظیمی کی ممانعت	۲۵۷
عبادت کی نیت کے بغیر کسی کی تعظیم و تکریم شرک نہیں	۲۵۷
تعظیم و اکرامِ آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم	۲۵۸
ابلیس کے خود ساختہ تصورِ توحید کا انجام	۲۵۸
انسانی تاریخ کا پہلا جرم شرک نہیں ...... اہانتِ نبوت تھا	۲۶۵
برادرانِ یوسف علیہ السلام کا سجدۂ تعظیمی	۲۶۵
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سجدۂ تعظیمی کی خواہش	۲۶۶

صفحہ	مشتملات
۲۶۸	۲۔ مزارات کے طواف اور من گھڑت تعظیمات
۲۶۹	سر پر چوٹی رکھ کر اس کی تعظیم کرنا
۲۷۰	مختلف درختوں میں ارواحِ مقدسہ کے تصور سے تعظیم کرنا
۲۷۱	۳۔ غیر شرعی حلف کا احترام منع ہے
۲۷۱	۴۔ ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز میں خود ساختہ تعظیمات
۲۷۵	مآخذ و مراجع

پیش لفظ

عقیدہ و عمل میں بگاڑ پیدا ہونا ایک فطری اور تاریخی حقیقت ہے لیکن اس بگاڑ کے علاج کے لئے طریقہ کار وضع کرنا الگ حکمتِ عملی کا متقاضی ہے۔ ہمارے عہد میں توحید و رسالت جیسے بنیادی ایمانی حقائق کو بھی انتہا پسندانہ رجحانات اور من پسند تشریحات کا سامنا ہے۔ گزشتہ چند دہائیوں میں مذہبی روایت کے علمبردار مصلحین میں سے بعض حضرات توحید پر زور دیتے ہوئے فکری اور اعتقادی عدم توازن کا شکار ہو کر واضح طور پر تنقیصِ رسالت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یعنی انہوں نے توحید اور رسالت کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا جس کے نتیجے میں امت دو واضح گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ اہل توحید خود کو ''اہل حق'' کہلاتے ہیں اور جن کے عقائد میں شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوش گہرے تھے اور وہ اسے بجا طور پر جزوِ ایمان سمجھتے تھے، ایسے لوگوں کی نظر میں وہ اہل شرک و بدعت قرار پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید اور رسالت دونوں ایمان کا اصل اور دونوں عین یک دیگر ہیں۔ بلکہ اسلام، یہودیت و نصرانیت کے مقابلے میں اگر ممتاز ہے تو اس کی شانِ امتیاز رسالتِ محمدی پر ایمان ہے۔ اس لئے کہ اللہ پر ایمان تو یہود و نصاریٰ بھی رکھتے ہیں۔

اس فکری انتشار اور باہمی اختلاف کو جو چیز سب سے زیادہ ہوا دے رہی ہے وہ اعتقادی مغالطے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ داعی اتحادِ امت مفکر عصر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ نے توحید و رسالت کے حقیقی تصورات کو اپنی تقاریر اور خطبات و دروس کا موضوع بنایا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو تاریخی رول ادا کیا وہ یہ ہے کہ توحید کی اساسی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبے کو بھی کما حقہ برقرار رکھا۔ بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ انہوں نے عقیدۂ توحید کو لوگوں کے قلوب و اذہان میں نقش کرنے کے لئے شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی بنیاد بنایا ہے۔

عقیدۂ توحید کے ضمن میں دیگر موضوعات کے علاوہ تعظیم بھی زیرِ بحث آتا ہے۔ وہ یوں کہ اکثر لوگ بعض تعظیمات کو بھی توحید کے منافی خیال کرتے ہیں۔ انہیں یہ مغالطہ اس لئے لاحق ہوتا ہے کیونکہ ان کے ہاں تعظیم کو عبادت کے زمرے میں شامل کرلیا جاتا ہے۔ حالانکہ عبادت اور تعظیم و تکریم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ تعظیم کو جب عبادت سے الگ کرکے نہیں دیکھا جاتا تو تعظیمِ رسالت مآب ﷺ اور تکریمِ انبیاء اور اولیاء ایسے لوگوں کے نزدیک براہِ راست شرک و بدعت تصور کیا جاتا ہے۔ یوں وہ توحید کو خالص کرنے کی فکر میں اہانتِ انبیاء و اولیاء کے مرتکب ہو جاتے ہیں اس لئے اس باب میں مغالطوں اور غلط فہمیوں کا رفع کرنا اور حقیقی تعلیمات سے آگاہی عصر حاضر کی اہم دینی ضرورت تھی اور یہ کتاب اسی ضرورت کی تکمیل ہے۔

''تعظیم اور عبادت'' کے موضوع پر مشتمل یہ جامع کتاب دراصل ''کتاب التوحید'' جلد اوّل کا ایک باب ہے جسے قارئین کی سہولت اور افادۂ عام کی خاطر دیگر ابواب کی طرح الگ بھی شائع کیا جارہا ہے۔ تاہم جلد اوّل کے متعلقہ باب (تعظیم اور عبادت میں فرق) کے مقابلے میں اس کتاب کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں تفصیلات کسی قدر زیادہ ہیں جو ضخامت کے خوف سے بچتے ہوئے وہاں بیان ہونے سے رہ گئی ہیں۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس موضوع پر اپنی نوعیت کی یہ پہلی اور واحد کتاب ہے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے عقائد میں اصلاح کے ساتھ ساتھ بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ممکن ہوگا اور انتہا پسند اذہان کو فکری اعتدال کی نعمت بھی نصیب ہو گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کے عقائد و افکار کو اصلی رنگ میں دیکھنے اور سمجھنے کے ساتھ عملِ صالح کی توفیق سے بھی نوازے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ڈاکٹر علی اکبر قادری

ڈائریکٹر

فریدِ ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ

بابِ اوّل

تعظیم کا معنی و مفہوم
اور
اُس کے اِطلاقات

فصل اوّل: تعظیم کا معنی و مفہوم

فصل دوم: عبادت اور تعظیم میں فرق

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

تعظیم کا معنیٰ و مفہوم

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

حقیقی اَدب و اِحترام اور اِنتہائی تعظیم کی حق دار و سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس عظیم ہستی کی تعظیم و تکریم کا اظہار صرف عبادت کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ عبادت ایک ایسا عمل ہے جو سراسر اللہ بزرگ و برتر کے لئے دل کی گہرائیوں سے تعظیم و تکریم اور ادب واحترام کے اعلیٰ ترین درجے سے عبارت ہے۔ کسی اور کے لئے تعظیم اور ادب و احترام کے جتنے بھی درجے ہو سکتے ہیں وہ اس درجے سے کم تر اور فروتر ہوں گے اور ان کی نوعیت بھی عمومی درجے کی ہو گی۔ اسلامی تعلیمات اور معاشرتی آداب میں یہ بات شامل ہے کہ افرادِ اُمت درجہ بدرجہ ایک دوسرے کی عزت و تعظیم کریں۔ اولاد والدین کی تعظیم کرے، شاگرد استاد کی، چھوٹا بڑے کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو چھوٹا بڑے کی توقیر نہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا توقیر اور تعظیم کے ساتھ ایک دوسرے سے پیش آنا معاشرتی تقاضا ہے جسے شائستگی اور تہذیب کی حدود میں رہتے ہوئے پورا کرنا ہر ایک کے لئے لازمی ہے۔

ا۔ تعظیم کا لغوی معنی و مفہوم

تعظیم کا مادۂ اِشتقاق ع، ظ، م ہے۔ عربی لغت میں

ا۔ عَظُمَ يَعْظُمُ عِظَمًا و عَظَامَةً کا معنی ہے: بڑا ہونا۔

۲۔ عُظْمُ الشَّيْء کا معنی ہے: چیز کا بڑا حصہ۔

۳۔ أعْظم الأمر کا معنی ہے: کام کا بڑا اور اہم ہونا۔ (۱)

---

(۱) جوہری، الصحاح، ۲: ۱۳۰

۴۔ **أعظم الشیء** کا معنی ہے: بڑا بنانا، شاندار بنانا، بڑا جاننا۔

۵۔ اسی سے **العَظَمَةُ** ہے جس کا معنی ہے: شان و شوکت، وقار، بڑائی اور اہمیت۔(۱)

۶۔ اسی سے **العَظِیْمُ** ہے جس کا معنی ہے: بڑا، باوقار، اہم، زبردست۔(۲)

۷۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

وَعَظُمَ الشَّیءُ أَصْلُهٗ كَبُرَ عَظْمُه ثُمّ اسْتُعِیْرَ لِكُلِّ كبیرٍ فأَجْرِیَ مَجْرَاه محسُوْسًا كان أومعقُوْلًا، عَیْنًا كَان أو معنی(۳)

عظم الشیٔ کے اصل معنی کسی کی ہڈی کے بڑا ہونے کے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ مجازاً ہر بڑی چیز کے لئے بولا جانے لگا۔ خواہ اس کا تعلق محسوس اشیاء سے ہو یا عقل و فکر سے یا یہ کہ وہ چیز مادی اعتبار سے بڑی ہو یا معنوی اعتبار سے۔‘‘

غور کیا جائے تو **عَظُمَ** سے مشتق تمام الفاظ میں بڑائی کا تصور نمایاں طور پر موجود ہے۔ تعظیم بھی درحقیقت کسی شخص کی بلندیٔ شان اور عام لوگوں سے مقام و مرتبہ میں اس کا بڑا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی لئے عربی میں حکمران اور بادشاہ کو بھی تعظیما **صَاحِبُ العَظَمَة** کہا جاتا ہے:

۸۔ باب تفعیل میں اس کا معنی ادب و احترام کرنا ہے پس **عَظَّمَهٗ** کا معنی ہے کسی شخص کو شان والا سمجھنا یا اس شخص کی تعظیم و احترام کرنا۔(۴)

---

(۱) بطرس بستانی، محیط المحیط: ۶۱۳

(۲) جوہری، الصحاح، ۲: ۳۰

(۳) أصفهانی، المفردات: ۳۳۹

(۴) بطرس بستانی، محیط المحیط: ۶۱۳

۲۔ تعظیم کا شرعی معنی و مفہوم

اَنبیائے کرام، صالحینِ عظام، والدین، شیوخ، اساتذہ یا کسی اور معزز ہستی کی عزت وتوقیر، ان کا ادب و احترام، ان کی فرمان برداری، تعمیلِ ارشاد اور ان سے منسوب اشیاء کی حرمت وتکریم ان کی تعظیم ہے۔ چونکہ یہ عمل درجۂ عبادت یعنی عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد سے کم تر اور فروتر ہوتا ہے اور اس کی نوعیت بھی عمومی ہوتی ہے اس لئے عبادت کے زمرے میں نہیں آتا اور شرعی حوالے سے یہ ایک جائز امر ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کوئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہرگز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے افعال جو بزرگوں کی تعظیم پر مبنی ہوں وہ اسلامی تعلیمات کی تعمیل ہے۔ یہ شرک کے دائرے میں ہرگز نہیں آتے اِس لئے کہ وہ توحید سے کسی طرح بھی متعارض و متصادم نہیں۔ ایک دوسرے کی عزت وتوقیر اور ادب واحترام کے حوالے سے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَه، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔(۱)

’’جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب من کان یؤمن باللہ و الیوم الآخر فلا یؤذ جارہ، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب الحثّ علی إکرام الجار والضیف، ۱: ۶۸، رقم: ۴۷

عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات زبان سے نکالے یا پھر خاموش رہے۔‘‘

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھا شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے آیا تو لوگوں نے اسے جگہ دینے میں دیر کی، پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا.(۱)

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی عزت نہ کی۔‘‘

۳۔ اسی طرح چھوٹوں پر رحمت و شفقت اور بڑوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور احترام کا تعلق اسلام کی بنیادی تعلیمات کا حصہ ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ بواسطہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا.(۲)

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی قدر و منزلت نہ پہچانے۔‘‘

---

(۱) ترمذی، السنن، کتاب البر و الصلة عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، باب ما جاء فی رحمة الصبيان، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، باب ماجاء فی رحمة الصبيان، ۴: ۳۲۲، رقم: ۱۹۲۰

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب فی الرحمة، ۴: ۲۸۶، رقم: ۴۹۴۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۲، رقم: ۷۰۷۳

حضور ﷺ کے اس ارشادِ مبارک کے مطابق تعظیم حکم شریعت ہے۔ اگر یہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہوتا تو کسی فرد کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ لہٰذا تعظیم نہ صرف شرعی واجبات میں سے ہے بلکہ مطلقاً مطلوب و مقبول عمل ہے جسے ترک کرنے والا آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق اُمت سے خارج ہے۔ تعظیم کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔ آپ اپنے استاد، بزرگ، والد یا کسی اور معزز ہستی کی تعظیم بجا لاتے ہیں جو بالکل جائز اور صائب عمل ہے جس کی شریعت مطہرہ نے تعلیم و تلقین کی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کے لئے بھی ایسی تعظیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو عبادت کے درجے کو پہنچ جائے اور نہ ہی کوئی مؤمن شخص عبادت کی نیت سے کسی کی تعظیم کرنے کا تصور کرسکتا ہے۔ تعظیم کے ان دونوں انتہائی درجوں میں تمیز کرنا اور فرق روا رکھنا لازمی ہے۔ اس لیے ہر تعظیم کو عبادت نہیں کہا جا سکتا۔ ایک وحدہ لاشریک ہستی کے لئے بجا لائی جانے والی بلند ترین تعظیم ہی کو عبادت سے موسوم کیا جائے گا۔

۳۔ تعظیم کے اِطلاقات

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جبکہ تعظیم کے اطلاقات بہت سے ہیں۔ اس بنیادی فرق اور واضح امتیاز کو سمجھے بغیر اکثر لوگ تعظیم کو عبادت کے زمرے میں ڈال دیتے ہیں اور یہیں سے مغالطوں کا لا متناعی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ توحید اور تعظیم کی بحث میں ہم تعظیم کی مختلف شکلوں پر الگ الگ روشنی ڈالیں۔ کیونکہ یہی شکلیں تعظیم کی اَقسام بھی ہیں اور اس کے مختلف اطلاقات بھی۔ اس کی انہی حالتوں اور صورتوں کو سمجھے بغیر سطح بین لوگ تعظیم کو اولاً عبادت سمجھ لیتے ہیں اور پھر اس عبادت پر شرک کو چسپاں کر دیا جاتا ہے، آئندہ صفحات میں ہم بالترتیب تعظیم کے ان جملہ پہلوؤں پر تفصیلاً روشنی ڈالیں گے اور تعظیم کے اطلاقات پر بھی تفصیلی بحث کی جائے گی تاہم اس کا اجمالاً ذکر درج ذیل ہے:

ا۔ محترم و معزز شخصیات کی تعظیم

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس کائنات میں انتہائی تعظیم کی حقدار صرف اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے اور اس کی تعظیم فقط عبادت سے ممکن ہے۔ وہی اس لائق ہے کہ مخلوق سراپا اطاعت بن کر اپنی جبین نیاز اس کے سامنے خم کریں۔ انتہائی تعظیم کا یہ حق مخلوق میں سے کسی اور کے لئے روا نہیں۔ مخلوق کی تعظیم یہ ہے کہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کا ادب و احترام اور ان کی عزت و تکریم کی جائے پس تعظیم کا اطلاق سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر ہوتا ہے۔ بالخصوص حضور علیہ السلام کی تعظیم میں تو ازروئے قرآن خوب مبالغہ کرنا چاہیے جس کے لئے وَتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ (الفتح: ۹) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

(۲) تعظیم اہلِ بیت و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

انبیاء علیہم السلام بالعموم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تعظیم کی حقدار وہ محترم و معزز ہستیاں ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمانی قربت کے علاوہ نسبی تعلق بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔(۱)

”فرما دیجئے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (اپنی اور اللہ کی) قرابت و قربت سے محبت (چاہتا ہوں)۔“

جب کہ متعدد احادیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ نسبت سے محبت اور ادب واحترام کے بارے میں بیان ہوا ہے۔

پھر تعظیم کا اطلاق ان محترم و مکرم شخصیات پر بھی ہوتا ہے جن کو حضور علیہ الصلوۃ

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۲۳

والسلام کے دیدار کا شرف حاصل ہوا اور وہ ایمان بھی لائے۔ قرآن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت وارد ہوئی ہے جبکہ احادیث مبارکہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فضائل کا بیان فرمایا ہے۔

(۳) تعظیمِ والدین

اسلام میں والدین کے ادب و احترام کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے ساتھ بھلائی و احسان کا حکم دیا ہے ان کی نافرمانی کو شرک کے بعد سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا لہٰذا واجب تعظیم کا اطلاق والدین پر بھی ہوتا ہے۔

(۴) تعظیمِ اولیاء و صالحین

اسی طرح تعظیم کا اطلاق اللہ رب العزت کے نیک صالح بندوں پر بھی ہوتا ہے۔ قصہ موسیٰ و خضر علیہم السلام میں حضرت خضر علیہ السلام نے دو یتیم بچوں کی دیوار مرمت کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ (۱)

''اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا۔''

گویا صالحین کی نسبت کا احترام بھی واجب ہے۔ جبکہ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے ایک حدیث قدسی میں اولیاء و صالحین کی تعظیم کو بیان فرمایا جس میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ

مَنْ عَادَ لِي وَلِيًا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ۔ (۲)

(۱) الکہف، ۱۸: ۸۲

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم: ۶۱۳۷

''جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں''

(۵) بڑے بزرگ اور مہمان کی تعظیم

عام معاشرے میں جو عمر کے لحاظ سے بزرگ لوگ ہوں ان کی تعظیم کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح مہمان کے اکرام کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔

۲۔ شعائر اللہ کی تعظیم

تعظیم کا اطلاق شعائر اللہ پر بھی ہوتا ہے جس کا حکم خود اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں دیا ہے۔ اور اس تعظیم کو دلوں کا تقوی قرار دیا ہے۔ اس کی درج ذیل مثالیں ہیں۔

(۱) صفا مروہ کی تعظیم

صفا مروہ جو دو پہاڑ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک صالح بندی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے بیٹے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسبت سے شعائر اللہ قرار پائے ان کی تعظیم بھی واجب ہے یہی وجہ ہے کہ آج بھی حجاج کرام ان کے درمیان سعی کرتے ہیں جو ان کی تعظیم ہے۔

(۲) قربانی کے جانور کی تعظیم

قربانی کے جانوروں کو بھی شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے اور ان کی تعظیم بھی واجب ہے۔

(۳) اَیام وشہورِ مقدّسہ کی تعظیم

تعظیم کا اطلاق مخصوص ایام اور بعض مقدس شہور پر بھی ہوتا ہے۔ مثلا یوم جمعہ، پیر، عیدین، شبِ قدر، شب برات اور یوم عاشورہ کی تعظیم و احترام۔

اسی طرح بعض مہینوں کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے جیسے رجب، ذو القعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔

(۴) اَماکنِ مقدسہ کی تعظیم

تعظیم کا اطلاق بعض مقدس مقامات پر بھی ہوتا ہے جن کی حرمت و تکریم قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ مثلا مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مسجد اَقصیٰ، ملک شام اور وادی طویٰ۔

آئندہ صفحات میں اس اجمال کی تفصیل علیحدہ علیحدہ ابواب میں آرہی ہے۔

۴۔ تعظیم کی اَقسام

قرآن حکیم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعظیمِ رسول کے آداب سکھائے۔ مثلاً یہ بتایا کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا ہوتو ایسے نہ بلاؤ جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو بلکہ اس سے اعلیٰ تعظیم کے ساتھ بلایا کرو۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم مخلوق کی حد سے اعلیٰ و ارفع اور خالق کی حد سے نیچی ہو، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ

”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“

کی آئینہ دار ہو۔

اس لحاظ سے تعظیم کی تین اقسام ہیں:

۱۔ تعظیم ۲۔ تعزیر ۳۔ توقیر

(۱) تعظیم

تعلیماتِ اسلام کی رو سے اسلامی معاشرے میں ہر چھوٹا بڑے کی تعظیم کرتا ہے۔ اپنے بڑوں، بزرگوں کی زیادہ سے زیادہ ادب و تعظیم کرنا ایک معاشرتی تقاضا سمجھا

جاتا ہے لیکن جب تعظیمِ رسول ﷺ کی بات ہو تو لازمی ہے کہ معمول کی تعظیم کے عام طریقے ختم ہو جائیں اور تعظیم کا بلند ترین درجہ اختیار کیا جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم از روئے قرآن واجب ہے۔ ادب و تعظیم رسول نہ کرنا کفر ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی باقاعدہ طور پر چار خصوصیات بیان فرمائیں جو تعظیم و توقیرِ رسالت پر مشتمل ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی شرط ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○(1)

''پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں○''

قرآن حکیم کی ایک اور آیتِ مبارکہ اسی مضمون کو مزید زور دے کر بیان فرما رہی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا○(2)

''بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے○ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۷

(۲) الفتح، ۴۸: ۸، ۹

شام تسبیح کرو۔‘‘

وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ کا معنی حضور رسالتِ مآب ﷺ کے لئے انتہا درجے کی تعظیم و توقیر اور حد سے زیادہ ادب و احترام ہے۔ جس کا حکم اس طرح دیا گیا ہے جیسے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سجدۂ تعظیمی بجا لانے کا حکم دیا گیا تھا۔

دوسرا اہم نکتہ اس آیتِ مبارکہ میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اہلِ ایمان کو صبح شام اپنی تسبیح کی تاکید فرمائی اسی لہجے اور اسی پیرائے میں اپنے محبوب پیغمبر کی تعظیم و تکریم کا حکم فرمایا۔ گویا تعظیم و تکریمِ رسول کا دین میں وہی درجہ اور اہمیت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مختص ہے اور اس کی ادائیگی کا ایک خاص طریقہ ہے لیکن تعظیمِ رسول ﷺ ایک دائمی اور باطنی عمل ہے جس پر جملہ عبادات کی قبولیت کا انحصار ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ میں مجموعی طور پر ایمان بالرسالت کے درج ذیل چار تقاضے بیان ہوئے ہیں:

۱۔ تعظیمِ رسول ﷺ

۲۔ توقیرِ رسول ﷺ

۳۔ نصرتِ رسول ﷺ

۴۔ اطاعتِ رسول ﷺ

اس واضح ترتیب میں ایمان کے بعد اوّلیت تعظیم و توقیر کو دی گئی ہے۔ یہ بڑا اہم اور ایمان افروز نکتہ ہے کہ نصرتِ رسول اور اطاعتِ رسول ﷺ ان دو تقاضوں کے بعد مذکور ہیں۔ اس الوہی ترتیب سے یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے کہ دعوت و تبلیغِ دین کا فریضہ جو فی الحقیقت نصرتِ رسول ﷺ ہے، قرآنی منشاء کے مطابق اس وقت تک مؤثر، نتیجہ خیز اور موجبِ ثمرات نہیں بنتا جب تک پہلے دین لے کر آنے والے رسول ﷺ کے ساتھ تعظیم و توقیر کے دو تعلق استوار نہ ہو جائیں۔ نصرتِ رسول اور اطاعتِ رسول دونوں کا

تعلق عقائد، نظریات اور جذبات سے زیادہ اعمال و افعال کے ساتھ ہے۔ جبکہ اوّل الذکر دونوں تقاضے ایمانی کیفیت، تعلق کی نوعیت اور عقیدے کی طہارت کے معیار کو ظاہر کرتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر تعظیم و توقیرِ رسول ﷺ شجرِ ایمان کی جڑیں اور تنا ہیں جبکہ مؤخر الذکر دو تقاضے اس شجر کی شاخیں اور پھل ہیں۔ ایمان کی توثیق و تصدیق تبھی ہوتی ہے جب تعظیمِ رسول ﷺ سے ایمان کو پرکھا جاتا ہے کیونکہ تعظیم، ایمان پر گواہی کا درجہ رکھتی ہے۔ جب تک کوئی شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے ادب اور تعظیم و توقیر کو بدرجہ اتم اپنے دل میں جاگزیں نہ کرے اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ ایمان کی تکمیل کے بعد ہی اطاعت و نصرت کی کاوشیں مقبول اور باثمر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان لانا فرد کا اوّلین فریضہ ہے اور اس کے بعد ہر مسلمان کا پہلا فریضہ آپ ﷺ سے محبت، ادب اور تعظیم و تکریم پر مبنی انتہائی درجے کا تعلق اُستوار کرنا ہے۔

(۲) تعزیر

قرآن حکیم میں حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے بیان میں اللہ رب العزت نے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ بھی اپنے اندر بڑی معنویت اور جامعیت رکھتے ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ایک لفظ تُعَزِّرُوْہُ کا بیان سورۃ الفتح (۹:۴۸) میں آیا ہے۔ جس کا معنی ہے کہ حضور علیہ السلام کی تعظیم میں خوب مبالغہ کرو۔ یہ بات قابل غور ہے کہ تعظیم رسول ﷺ کے لئے **عظموہ** بیان نہیں ہوا تو پتہ چلا کہ وہ تعظیم جو ہم اپنے والدین، بڑے، بزرگ اور اساتذہ و مشائخ کی کرتے ہیں رسول ﷺ کی تعظیم اس سے بدرجہا بڑھ کر کرنا واجب ہے یعنی عام مخلوق کے لئے جو حد ہے رسول ﷺ کی تعظیم ان حدود سے بڑھ کر کی جائے تو ایمان ہے۔ فقط اتنا فرق رہے کہ ذات باری تعالیٰ معبود ہے اور رسول ﷺ اس کے برگزیدہ بندے۔ وہ خالق ہے اور یہ مخلوق۔ پس تعظیم کا وہ بلند درجہ جو حد عبادت سے نیچے ہو وہ تعزیر ہے جو مخلوق میں سے صرف رسول ﷺ کا حق ہے جبکہ عبادت فقط اللہ رب العزت کا حق ہے۔ اس حق میں کوئی نبی رسول یا برگزیدہ بندہ ہرگز اس

کا شریک نہیں۔

التَّعْزِيرُ: النُّصرَةُ مَعَ التَعْظِيمِ، قَال (وَتُعَزِّرُوْهُ؛ وعَزَّرْتمُوْهم) والتَّعْزِيْرُ ضَرْبٌ دُوْنَ الْحَدِّ وَ ذَالِك يَرْجعُ الى الْاوّل فإنّ ذٰلِكَ تأديبٌ والتّأديبُ نُصْرَةٌ مَّا. لٰكن الْاوّلُ نُصْرَةٌ بِقَمْعِ مَا يَضُرُّه عَنْه، وَالثَّانِيْ نُصْرَةٌ بِقَمْعِهِ عَمَّا يَضُرُّهٗ. فَمَنْ قَمَعتهٗ عَمَّا يَضُرّه فَقَدْ نَصَرْتهٗ۔(۱)

''تعزیر سے مراد ایسی مدد ہے جس میں تعظیم بھی شامل ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے (اور ان (کے دین) کی مدد کرو ...... اور (ان کی مدد کرتے رہے) اسی طرح التعزیر کا ایک معنی ہے کسی کو حد شرعی سے کم سزا دینا۔ دراصل یہ معنی بھی پہلے معنی کی مناسبت سے لیا جاتا ہے کیونکہ یہ سزا تادیباً ہے اور یہ کسی شخص کی اصلاح کے لئے ایک طرح کی مدد ہوتی ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے معنی میں تعزیر کا مطلب کسی شخص کو نقصان پہنچانے والی چیز کو روکنا جبکہ دوسرے معنی کے لحاظ سے تعزیر کا مطلب ہے کسی شخص کو مضر چیز سے باز رکھنا۔ پس جس نے کسی شخص کو مضر چیز سے روکا تو اس نے اس کی مدد کی ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تعزیر کی تشریح یوں کی ہے:

والتعزير يأتى بعمنى التعظيم والاعانة و المنع من الاعداء ومن هنا يجيء التعزير بمعنى التأديب لأنه يمنع الجاني من الوقوع فى الجناية۔(۲)

''تعزیر، تعظیم مدد و نصرت اور دشمنوں سے تحفظ کے معنی میں آتا ہے اسی لئے

(۱) راغب اصفہانی، المفردات: ۳۳۳

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۵۸۲

تعزیر بمعنی تادیب اصلاح یا سزا استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ مجرم کو معصیت کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔‘‘

علامہ ابن منظور نے تعزیر پر تفصیلی بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

’’**تعزیر** کا اصل معنی تادیب ہے اسی لئے شرعی حد سے کم سزا کو تعزیر کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ بھی اصلاح اور اخلاقی تربیت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے میں نے فلاں شخص کی سرزنش کی۔ اسی طرح **عزرته** متضاد معانی میں استعمال ہوتا ہے اور **عزره** کا معنی ہے فلاں شخص کی تعظیم اور تکریم کی یہ معنی متضاد کی طرح ہے اور **العزر** کا معنی ہے تلوار کے ذریعہ مدد اور **عزره عزرا** و **عزره** کا معنی ہے فلاں شخص کی پشت پناہی کی اس کو تقویت پہنچائی اور مدد کی ارشاد ربانی ہے: **وَتُعَزِّرُوْهُ**۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ...... **وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ** ...... کی تفسیر میں ہے یعنی پیغمبر ﷺ کی مدد تلوار کے ساتھ کرتے رہو پس جس نے نبی اکرم ﷺ کی مدد کی گویا اس نے اللہ عزوجل کی مدد کی

انہوں نے مزید لکھا ہے:

’’انبیاء علیہم السلام کی مدد و نصرت سے مراد ان کی حمایت کرنا اور ان کے دین کے دشمنوں کو باز رکھنا اور ان کی تعظیم و تکریم کرنا ہے۔‘‘

تعزیر کا اصل معنی روکنا باز رکھنا ہے گویا کہ جس نے کسی کی مدد کی تو اس نے اس سے دشمن کو روکا اور ان کی سختی سے بچایا پس اس وجہ سے وہ تادیب جو حد شرعی سے کم ہو اسے تعزیر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مجرم کو دوبارہ ارتکابِ معصیت سے روکتی ہے۔(۱)

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ تعظیم کی اقسام میں تعزیر وہ درجہ ہے جہاں کسی کی تعظیم اس حد تک کی جائے کہ اس میں محض ادب و احترام نہ ہو بلکہ اگر ضرورت پڑے تو

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۵۶۲

www.MinhajBooks.com

اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیا جائے۔ اور تلوار کے ذریعہ دشمنوں کا مقابلہ کرکے ان کو ایذا رسانی سے روکا جائے۔ قرآن حکیم میں حضور نبی اکرم ﷺ کی تعزیر سے مراد بھی ایسی نصرت ہے جس میں تعظیم بہر حال شامل ہو۔ ائمہ تفسیر نے بھی اس کا معنی کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

۱۔ امام ابن کثیر نے لکھا ہے:

(لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیر واحد تعظموہ۔(۱)

''(لتؤمنو باللہ و رسولہ و تعزروہ) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر بہت سارے اہل علم نے کہا ہے کہ تعزروہ سے مراد ہے کہ آپ ﷺ کی خوب تعظیم کرو۔''

۲۔ قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے:

قال ابن عباس: تعزروہ: أی تجلوہ. و قال المبرد: تعزروہ: تبالغوا فی تعظیمہ۔(۲)

''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تعزروہ کا مطلب ہے ان کی تعظیم کرو اور مبرد نے کہا تعزروہ کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کی خوب تعظیم کرو۔''

۳۔ امام بغوی نے لکھا ہے:

(وتعزروہ) أی تعینوہ و تنصروہ(۳)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۴: ۱۸۶

(۲) قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ: ۵۴

(۳) تفسیر بغوی، ۴: ۱۹۰

''و تعزروہ کا معنی ہے کہ ان کی مدد و اعانت کرو''

۴۔ امام بیضاوی نے لکھا ہے:

(و تعزوہ) و تقووہ بتقویة دینه و رسوله (۱)

''و تعزروہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے دین اور رسول ﷺ کی مدد کے ذریعہ کرو''

۵۔ امام طبری نے لکھا ہے:

و کان الفراء یقول العزر الرد. عزرته رددته إذا رأیته یظلم (۲)

''فراء کہتے تھے کہ عزر کا معنی روکنا ہے۔ عزرته کا معنی ہوگا میں نے اسے روکا جب اس کو ظلم کرتے ہوئے پایا۔''

٦۔ امام قرطبی نے لکھا ہے:

(وتعزروہ) أی تعظموہ و تفضموہ قاله الحسن و الکلبی والتعزیر التعظیم و التوقیر و قال قتادة: تنصروہ و تمنعو منه. و منه التعزیر فی الحد لأنه مانع۔ (۳)

''و تعزروہ کا معنی ہے ان کی تعظیم وتکریم کرو۔ حضرت حسن اور کلبی نے کہا تعزیر سے مراد تعظیم و توقیر ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد ہے کہ ان کی مدد کرو اور ان سے دشمن کو روکو اسی سے تعزیر (جس کا معنی سزا) ہے کیونکہ وہ مجرم کو ارتکاب معصیت سے روکتی ہے۔''

---

(۱) تفسیر البیضاوی، ۵: ۲۰۱

(۲) تفسیر الطبری، ٦: ۱۵۲

(۳) تفسیر قرطبی، ۱۹: ۲٦٦

۷۔ امام نحاس نے لکھا ہے:

و أصل التعزير فى اللغة المنع و منه عزرت فلاناً أى أنزلت به ما يمتنع من أجله من المعاودة كما تقول نكلت به أى أنزلت به ما ينكل به عن العودة۔(۱)

’’لغت میں تعزیر کا معنی روکنا ہے اسی سے ہے **عزرت فلاناً** یعنی میں نے فلاں شخص کو اس چیز سے روکا جس کی وجہ سے وہ بار بار جرم کا ارتکاب کرتا تھا جیسے کہا جاتا ہے میں نے فلاں کو روکا یعنی اس عادت سے روکا جس کی بناء پر وہ بار بار جرم کرتا تھا۔‘‘

(۳) توقیر

لغت کے اعتبار سے توقیر میں سنجیدگی، متانت، وقار اور حلم و بردباری کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ لفظ و۔ ق ۔ ر سے بنا ہے۔ اسی سے ایک لفظ وقار ہے۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

الوقار: الحلم والرزانة ۔(۲)

’’وقار کا معنی ہے بردباری اور سنجیدگی ......‘‘

وقر سے توقیر کا معنی ہوتا ہے: کسی کی عظمت بیان کرنا۔

ووقرت الرجل اذا عظمته وفى التنزيل العزير ”وتعزروه وتوقروه.“(۳)

’’**وقرت الرجل** اس وقت بولتے ہیں جب اس شخص کی عظمت شان کو بیان کیا جائے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالی ہے (اور (ان کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو۔‘‘

تعظیم و توقیر رسول ﷺ شجرِ ایمان کی جڑیں ہیں۔ ایمان کی تکمیل اور اس میں

---

(۱) النحاس، معانی القرآن، ۲: ۳۸۵

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۵: ۲۹۰

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۵: ۲۹۰

www.MinhajBooks.com

بہار کا انحصار تعظیم و توقیر کے ساتھ مشروط ہے۔ قرآنِ حکیم میں ادب و احترامِ رسول ﷺ کے باب میں تعظیم کے ساتھ توقیر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جسکا معنی اہلِ علم کے نزدیک ادب واحترام کی وہ کیفیت ہے جہاں تعظیم کرنے والا ممدوح کی عظمت و شان کا خوب چرچا کرے۔

لغوی اعتبار سے وقر کے معانی میں سے ایک معنی کان کا بہرا ہونا بھی ہے اور سنجیدگی کا معنی بھی اس کے اندر پایا جاتا ہے تو گویا اس اعتبار سے توقیر تعظیم کا ایسا بلند درجہ ہے جہاں کوئی شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں اس قدر سنجیدہ ہو جائے کہ اس کی زبان پر ہر وقت آپ ﷺ کی تعریف ہی تعریف ہو، اس کے دل و دماغ میں کسی بھی قسم کی بے ادبی و گستاخی کا شائبہ تک نہ ہو اور اس کے کام ہر عیب سننے سے بہرہ ہو جائیں۔

توقیر بھی تعظیم سے ہے لیکن باعتبارِ مخلوق یہ ادب و احترام کا وہ کمال درجہ ہے جو شرعاً حضور علیہ السلام کا حق ہے۔ مفسرین نے بھی توقیر کا معنی بلند درجہ تعظیم و تکریم کیا ہے۔

۱۔ امام ابنِ کثیر نے لکھا ہے:

(و توقّروه) من التوقير و هو الاحترام والاحلال و الاعظام۔[1]

''و توقروه یہ لفظ توقیر سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد ادب و احترام بلند مرتبہ اور عظمت ہے۔''

۲۔ امام بغوی نے لکھا ہے:

(و توقروه) تعظموه و تفخموه۔[2]

''و توقروه کا معنی ہے ان کی تعظیم کرو اور خوب شان وشوکت بیان کرو۔''

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۴: ۱۸۶

(۲) تفسیر بغوی، ۴: ۱۹۰

۳۔ امام قرطبی لکھتے ہیں:

(و توقروه) أی تسودوه۔[1]

’’وتوقروہ یعنی ان کی خوب شان وشوکت بیان کرو۔‘‘

۵۔ انتہائی تعظیم حضور ﷺ کا حق ہے

مخلوق میں سب سے زیادہ تعظیم اور بزرگی کی حقدار حضور ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ دوسرے مترجمین نے لفظ تَعْزِیر کا ترجمہ فقط ’’مدد اور تکریم‘‘ کیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین کرنے والی ہے کہ صرف تعزیر ہی آپ ﷺ کا اختصاص اور حق نہیں بلکہ آپ ﷺ کا حق تعزیر سے شروع ہو کر توقیر کے اعلیٰ و ارفع درجے کو پہنچتا ہے۔ پہلا حق تعظیم ہے، دوسرا حق تعزیر اور تیسرا حق توقیر ہے جو کہ بلند ترین سطح کا حق ہے۔ اس لئے بہتر اور زیادہ مناسب ترجمہ یہ ہے کہ ’’آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کا بلند ترین درجہ اختیار کیا جائے۔‘‘

سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۹ میں آگے اہلِ ایمان سے ارشاد ہوا وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح صبح و شام بیان کرو یعنی آپ ﷺ کی عظمت و بزرگی بھی اس طرح بیان کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہو۔ گویا یہ قرآن کا پیغام ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان پختہ تر کر لو۔ یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ جہاں تک ایمان کو مستحکم کرنے کا تعلق ہے یہ استحکام اللہ اور اس کے رسول سے تعلق استوار کرنے سے آئے گا۔ اس وقت تک کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک اللہ اور رسول ﷺ پر اس کا ایمان مضبوط و مستحکم نہ ہو جائے۔ مسلمان ہونے کے بعد قرآن ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایمان کے زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کے بعد ہمیں بحیثیت مسلمان صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا ہے اور رسولِ مکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر

(۱) تفسیر قرطبی، ۱۶: ۲۶۷

www.MinhajBooks.com

کو جہاں تک ممکن ہو بلند سے بلند درجے تک پہنچانا ہے۔ حضور ﷺ کے اس حق کو ادا کرنا امت پر فرض ہے۔

۶۔ تعظیمِ رسول ﷺ توحیدِ باری تعالیٰ سے متصادم نہیں

محولہ بالا آیتِ قرآنی میں ادب و تعظیمِ رسول ﷺ کی تعلیم دی گئی ہے اور ادبِ مصطفیٰ ﷺ کے قرینے سکھائے گئے ہیں۔ ذرا غور کریں کہ کوئی اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کر کے یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ مولا میں ادب و مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے حکم سے آگاہ و واقف ہی نہیں تھا؟ کیونکہ تو نے تعظیم کو ''حرام اور ممنوع'' قرار دیا تھا۔ کس میں اتنی مجال ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو اس دعوے کے ساتھ پیش ہو سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ توحیدِ باری تعالیٰ، تعظیمِ رسول مقبول ﷺ سے متعارض و متصادم نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم کے بارے میں قرآن مجید کے ان واضح احکام و فرامین کے پیشِ نظر منکرین کے پاس اعتراض و انکار کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللهَ۔ (۱)

''اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں رسول ﷺ کی بے ادبی نہ ہو جائے)۔''

تعظیم و تکریمِ مصطفیٰ ﷺ کا حکم قرآن مجید میں اس حد تک ہے کہ حضور ﷺ سے بلند آواز میں بات نہ کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی تعلیم دی گئی تھی کہ جب آپ ﷺ اپنی بات مکمل کر لیں تو پھر کوئی سوال کرے۔ صحابہ کو یہ آداب معلوم تھے اس لئے وہ آپ ﷺ سے روزے، عید الفطر اور قربانی جیسے امور میں بھی سبقت اور پیش قدمی نہیں کرتے تھے۔ مذکورہ آیتِ کریمہ کا خاص شانِ نزول تھا۔ جس سے آدابِ مصطفیٰ ﷺ کی

(۱) الحجرات، ۴۹:۱

یہ تعلیم امت کو دی گئی ہے:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے پہلے کوئی کلام نہ کرے۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی قربانی سے پہلے کوئی اپنا جانور قربان نہ کرے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارادہ پر اپنا کوئی ارادہ پیش نہ کرے۔

۴۔ جنگی امور کا فیصلہ کرنے میں کوئی بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے پیش قدمی نہ کرے۔

ائمہ تفسیر کے مطابق یہ آیت عام لہٰذا ہر معاملے پر اس کا اطلاق ہوگا۔ سارے معاملات اور امور چاہے ان کا تعلق ارکانِ اسلام نماز، روزہ، قربانی اور حج وغیرہ کے ساتھ ہوں یا دنیاوی امور جنگ، قضاء، روزمرہ کے معمولات میں شمار ہوتے ہوں، حضور ﷺ کی اتباع میں داخل ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرائض کی ادائیگی پر تکریم و تعظیمِ رسالت کو مقدم رکھا ہے۔ اس لئے اس آیتِ کریمہ میں صحابہ کو بنیادی طور پر دو باتوں کی ممانعت کی گئی:

(۱) حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی عمل سے پہلے پیش قدمی نہ کریں۔

(۲) اپنے آپ کو حضور نبی اکرم ﷺ سے مقدم نہ رکھیں۔

یہ بنیادی نکتہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس امر کا متقاضی تھا کہ وہ اپنے ہر عمل کو حضور ﷺ کے عمل سے مربوط کریں کہ رسولِ معظم ﷺ کی غائت درجہ تعظیم بجا لانا دراصل اللہ عزوجل کی تعظیم بجا لانا ہے۔ آپ ﷺ کا ادب و احترام درحقیقت اللہ کا ادب و احترام ہے۔ آپ ﷺ سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ جل شانہ کی اطاعت ہے۔ اپنے محبوب ﷺ سے دوئی کے تصور کو ختم کرنے کے لئے اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا۔ تمام امور اور معاملات میں حضور نبی اکرم ﷺ کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا قائم مقام اور نائب بنایا ہے۔ آپ ﷺ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے قرآن کا نور لیتے ہیں تو دوسری طرف مخلوق کو

پہنچاتے ہیں۔ صرف ایک بات میں استثنٰی رکھا گیا ہے کہ کسی کو حضور نبی اکرم ﷺ کی عبادت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ورنہ دیگر تمام امور میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ میں دوئی اور مغائرت نہیں۔ اس نکتے کی وضاحت امام ابن تیمیہ نے بھی کی ہے جس کا ذکر ذیل میں آ رہا ہے۔

۷۔ تعظیمِ خداوندی اور تعظیمِ رسول ﷺ حقیقتِ واحدہ ہیں

نصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ جو کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کی بے حرمتی کرتا ہے وہ اللہ کی بے حرمتی کرتا ہے۔ جو حضور ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑتا ہے اور جو حضور نبی اکرم ﷺ کو آزردہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو آزردہ کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینے سے اللہ رب العزت ناراض ہوتا ہے۔ اذیت دینے سے حضور ﷺ کو جسمانی اور ذہنی تکلیف تو پہنچتی ہے لیکن اللہ جل شانہ کو کیسے کوئی تکلیف پہنچا سکتا ہے؟ وہ تو جسمانیت سے پاک ہے۔ اس کا یہ فرمانا کہ اگر تم میرے پیغمبر کو تکلیف دیتے ہو تو گویا مجھے تکلیف دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو تکلیف کا معنی دراصل اس کے غضب اور ناراضگی کو دعوت دینا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی اہانت اور بے ادبی پر اس کا غضب دراصل اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب سے محبت کی دلیل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا○(۱)

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لئے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے○‘‘

ان آیات میں اور قرآن مجید کے دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ایک ہی نوعیت کا

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۵۷

www.MinhajBooks.com

اعلان فرمایا ہے جس میں اپنے اور اپنے رسول ﷺ دونوں کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں حقوق برابر ہیں اور ان دونوں کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔ یہ دونوں حقوق حقوق اللہ ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک اللہ اور رسول ﷺ کے حق ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اس آیت کے ذیل میں انہوں نے بجا طور پر لکھا ہے:

وجعل شقاق اللہ ورسولہ ومحادۃ اللہ ورسولہ وأذی اللہ ورسولہ ومعصیۃ اللہ ورسولہ شیئًا واحدًا۔[1]

’’اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت و اذیت اور معصیت و نافرمانی کو (قرآن حکیم میں) ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔‘‘

بعد ازاں شیخ ابنِ تیمیہ نے اپنے اس مؤقف کی تائید میں درج آیاتِ قرآنی کا بالترتیب تذکرہ کیا ہے:

۱۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴿الانفال، ۸: ۱۳﴾

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ ﴿المجادلہ، ۵۸: ۲۰﴾

۳۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴿التوبہ، ۹: ۶۳﴾

۴۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴿النساء، ۴: ۱۴﴾

شیخ ابنِ تیمیہ کا یہ بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی تعظیم دراصل پیغمبر اعظم و آخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم ہے اور یہ دونوں تعظیمیں درحقیقت ایک ہی نوعیت کی حامل ہیں۔ حقیقتِ واحدہ ہونے کے ناطے تعظیمِ خداوندی اور تعظیمِ رسول میں کوئی فرق نہیں۔ وہ حضور نبی اکرم ﷺ اور اللہ جل مجدہ کے حقوق کی ترتیب ظاہر کرنے کے

(۱) ابن تیمیۃ، الصارم المسلول: ۴۰۔۴۱

لئے مزید لکھتے ہیں:

وفی هذا وغیره بیانٌ لتلازم الحقین، وأن جهة حرمة الله تعالیٰ ورسوله جهة واحدة، فمن آذی الرسول فقد آذی الله، ومن أطاعه فقد أطاع الله۔(۱)

’’مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق باہم لازم وملزوم ہیں نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حرمت کی جہت ایک ہی ہے لہٰذا جس نے رسول ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔‘‘

بعض لوگوں کا اصرار ہوتا ہے کہ وہ وسیلے اور ذریعے کے قائل نہیں۔ ان کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق چاہتے ہیں جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس لیے مبعوث کیا گیا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ وحی نازل ہو اور آپ ﷺ یہ پیغام آگے نوعِ انسانی تک پہنچائیں۔ گویا رسالت آپ ﷺ کا فریضہ تھا، آپ ﷺ کی ڈیوٹی تھی سو آپ ﷺ نے ادا فرمائی۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد فقط اللہ تعالیٰ کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کو رسول کے منصب پر فائز کیا گیا لیکن علامہ ابنِ تیمیہ کا نقطہ نظر ان لوگوں سے مختلف ہے وہ لکھتے ہیں:

لأن الأمة لا یصلون ما بینهم وبین ربّهم إلا بواسطة الرّسول، لیس لأحدٍ منهم طریق غیره ولا سبب سواه۔(۲)

’’اس لئے کہ امت کا تعلق باللہ کا رشتہ صرف رسول ﷺ کے واسطہ سے استوار ہوسکتا ہے کسی کے پاس بھی اس کے سوا دوسرا کوئی طریقہ یا سبب نہیں ہے۔‘‘

(۱، ۲) ابن تیمیة، الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ: ۴۱

ان آیات اور اس طرح کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے حقوق کے باہم لازم وملزوم ہونے کا بیان ہے۔ اللہ رب العزت کی عزت وتوقیر اور حضور ﷺ کی عزت وتوقیر ایک ہے اگر کسی نے حضور ﷺ کو تکلیف پہنچائی اس نے گویا اللہ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

۸۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں - شیخ ابنِ تیمیہ کا عقیدہ

آپ ﷺ کا وجودِ مسعود خدا اور مخلوق کے درمیان مضبوط واسطہ ہے۔ کوئی بھی شرعی امر، رسول اللہ ﷺ کے وسیلے کے بغیر امت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو لوگ واسطے کو شرک کہتے ہیں انہیں یہ بات جان لینی چاہئے کہ براہِ راست اللہ تک رسائی قطعاً ناممکن ہے۔ امت تک کوئی فیض وسیلۂ محمدی ﷺ کے بغیر نہیں پہنچ سکتا، وہی اللہ اور مخلوق میں درمیانی واسطہ ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ مزید لکھتے ہیں:

وقد أقامه الله مقام نفسه في أمرِهٖ ونهيه وإخباره و بيانه، فلا يجوز أن يفرَّقَ بين الله ورسوله في شئ من هذه الأمور۔(۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے اوامر ونواہی اور اخبار و بیان میں رسول ﷺ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا ہے اس لئے مذکورہ بالا امور میں اللہ اور اس کے رسول کے مابین تفریق جائز نہیں۔‘‘

اس حوالے سے علامہ ابنِ تیمیہ کہہ رہے ہیں کہ امورِ دین میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں۔ اگر یہ بات کہنا شرک ہے تو سب سے پہلے اس کا اطلاق علامہ ابنِ تیمیہ پر ہوتا ہے جنہوں نے اس نکتے کا استنباط و استشہاد کیا۔ اگر وہ اس کے مرتکب نہیں تو پھر امتِ مسلمہ میں کوئی بھی فرد مشرک نہیں ہوسکتا کیونکہ اس

---

(۱) ابن تيمية، الصارم المسلول على شاتم الرسول ﷺ: ۴۱

عقیدے سے آگے کوئی نہیں جاتا اور یہ بلند ترین سطح ہے جس تک کوئی گیا ہو۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنا قائم مقام اور نائب بنایا ہے تو کیا کسی اور کی طرف سے کسی قسم کی دوئی یا ثنویت پیدا کرنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ ان امور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان کوئی فرق اور دوئی نہیں۔ دونوں میں یکتائیت پائی جاتی ہے اور کوئی ان میں دوئی نہیں پیدا کر سکتا، سوائے اس فرق کے کہ اللہ رب ہے اور محمد ﷺ اس کے عبد ہیں، لہٰذا حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نائب سمجھنا شرک نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو دراصل ایک ایسے اونچے مقام پر فائز کر دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے مطابق تفویض کردہ اختیار کو بروئے کار لا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین حضور ﷺ کے واسطے سے مخلوقِ انسانی تک پہنچانا مقصود تھے۔ اللہ کی عزت و تعظیم کا مرکز و محور حضور ﷺ کی ذات کو بنا دیا گیا اس لئے وہی نائب اور قائم مقام ہیں۔

۹۔ ذکرِ الٰہی کی قبولیت بھی تعظیمِ رسول ﷺ سے مشروط ہے

جیسا کہ ابھی اوپر ذکر گزر چکا ہے کہ قرآن حکیم نے سورۃ الفتح کی آیت میں تعظیم و تکریمِ رسول ﷺ کا ذکر اپنی تسبیح سے پہلے فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کی ترجیحی ترتیب کو بدل دیا ہے۔ اس کا اپنے بندوں سے ارشاد ہے کہ ''لِتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ'' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا کام اللہ تعالیٰ کی بزرگی و تقدیس بیان کرنے سے بھی پہلے اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کی عظمت اور توقیر کا عَلَم بلند کرنا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر کے بغیر اللہ کی تسبیح بھی قبول نہیں۔ یہی ایمان کی پرکھ کا معیار اور کسوٹی ہے جس پر پورا اترنے سے عبادت، ذکر وفکر اور تسبیح و تقدیس قابلِ قبول ہوگی۔

یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ کو ہمارے سجود اور تسبیحات کی ضرورت نہیں، اصلاً اسے اپنی

بندگی مطلوب ہے اور اس کی بندگی تقاضا کرتی ہے کہ جس ذاتِ رسالت نے تمہیں مجھ سے شناسا کرایا پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرو۔ لہٰذا تعظیمِ رسالت ہوگی تو عبادت بھی قبول ہو گی، تکریمِ رسالت ہو گی تو ذکر و تسبیح بھی وجہِ شرف ہوگی ورنہ یہ سب منافقانہ اور کافرانہ عمل قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی سیدنا آدم علیہ السلام کی عدمِ تعظیم کی وجہ سے بڑے عابد ابلیس کو بھی راندۂ درگاہ ٹھہرایا تھا ورنہ ابلیس نے بارگاہِ الٰہی میں نبی کی اہانت اور گستاخی کے علاوہ کوئی اور غلطی نہیں کی تھی۔ اپنے تئیں اس نے توحیدِ خالص کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں توحید پرست ہوں اس لئے آدم (علیہ السلام) کو سجدہ میری عبادت و بندگی کو داغدار کر دے گا۔ یہ تو آدم کی عدمِ تعظیم پر ملنے والی سزا کا معاملہ ہے جس نے ایک مقرب اور عابد کو شیطان اور ابلیس بنا دیا۔ جبکہ ہم تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی جو اللہ کے بعد سب سے زیادہ تعظیم و تکریم کی مستحق ہے اس کے ساتھ تعلق کی بات کر رہے ہیں۔

قارئین خود سوچ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عزازیل جیسے عبادت گزار ناری فرشتے کو حضرت آدم علیہ السلام کی بے ادبی کی بناء پر شیطان بنا دیا تو اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت اسے کس قدر ناپسند ہو گی؟ اسی طرح یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کو کس قدر عزیز ہو گی۔ جن کے ایمان و نصرت کے لئے عالمِ ارواح میں انبیاء کی ارواح سے اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ لیا تھا۔ اب اگر کوئی اس کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر سے روگردانی کرے تو اس کا حشر بھی نہ صرف ابلیس کے ساتھ ہو گا بلکہ اس سے کہیں بدتر ہو گا۔

۱۰۔ ادب و تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...... ایک نازک ایمانی امتحان

بعض لوگ جو دن رات توحید اور رب ذوالجلال کی عظمت و تمکنت کا ذکر کرتے نہیں تھکتے۔ بدقسمتی سے انہیں اللہ کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی عظمت کا کوئی احساس اور ادراک نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر کی نسبت ان کی زبانیں گنگ اور مہر بہ لب رہتی ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول تو مانتے ہیں لیکن محض عمومی اور اعتقادی طور

پر۔ وہ دل سے آپ ﷺ کی پیغمبرانہ عظمت اور شانِ محبوبیت کو تسلیم کرنے سے گریزاں رہتے ہیں۔ وہ اللہ رب العزت کی توحید کی رٹ لگاتے رہتے ہیں لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم، تعزیر اور توقیر کے بارے میں ان ارشاداتِ قرآنی سے کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کا تعلق عام طور پر باعمل مذہبی طبقے سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ''توحید پرستی'' اور ''عبادت'' کے نشے میں اتنے غرق ہو جاتے ہیں کہ بارگاہِ رسالت ان کی آنکھوں میں غیر اہم ہو جاتی ہے۔ نہ صرف وہ خود تعظیمِ رسالت کے شرف سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ وہ اسے اپنا مشن سمجھ کر دوسروں کو بھی یہی وطیرہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایسے ''توحید پرست'' اور ''عبادت گزار'' لوگ ہر دور میں موجود رہے ہیں اور آج بھی بکثرت موجود ہیں۔ یہ توحید پرستی اور کثرتِ عبادت کے دھوکے میں آ کر اعلانیہ تعظیم و تکریم رسول ﷺ کے منکر ہو جاتے ہیں اور اپنی اس ناپاک جسارت کے طفیل اپنی متاعِ ایمان ضائع کر کے رشکِ ابلیس بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نازک امتحان میں ہر شخص کو سرخرو فرمائے اور ہم سب کو ابلیسی توحید کی بجائے نبوی اور ایمانی توحید کا فیض عطا فرمائے۔

۱۱۔ شعائر اللہ کی تعظیم، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید قرار پائی

شعائر اللہ کی تعظیم کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی کی رو سے وہ لوگ جو شعائر اللہ کا کمال درجہ احترام اور تعظیم کرتے ہیں وہ متقی ہیں اور یہ تقویٰ ان کے دلوں کے اندر جاگزیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِo(۱)

''اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲

نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)o‘‘

دلوں کا تقویٰ عبادت ہے اور عبادت توحید ہے۔ گویا اللہ ﷻ نے فرمایا: دلوں کا تقویٰ میری توحید بھی ہے اور میری عبادت بھی۔ پس جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کا حق ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ[1]

’’بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ یہ پہاڑ بھی میرے شعائر ہیں، گویا جو شخص صفا اور مروہ پہاڑیوں کی تعظیم کرے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا حق ادا کر رہا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تعظیم پہاڑوں کی ہو رہی ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کی ہو رہی ہے۔ ان دو پہاڑوں صفا و مروہ کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی عبادت قرار پائی۔ کیا دنیا کے اور پہاڑ بھی ایسے ہیں جو شعائر اللہ میں داخل ہوں؟ اگر نہیں تو یہ دو پہاڑ صفا مروہ کس وجہ سے شعائر اللہ بنے؟ اس لئے کہ انہیں اللہ کی صالح بندی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور صالح بندے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسبت حاصل ہے۔

۱۲۔ منسوب جانور کے مقابلے میں اولیاء اللہ کی تعظیم کا مقام

بعض لوگ عبادت اور تعظیم کے درمیان تشکیک اور غلط فہمی پیدا کرکے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جب آپ اہل اللہ کی تعظیم بجالاتے ہیں تو یہ شرک فی العبادت کے زمرے میں آتا ہے حالانکہ عبادت کا درجہ اور حقیقت جدا ہے اور تعظیم کی تعریف اور درجہ الگ ہے۔ دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط ممکن نہیں۔ شرعاً عجز و انکساری اور تعظیم کے انتہائی

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۵۸

درجے کا نام عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے قطعاً جائز نہیں جب کہ اللہ رب العزت کے کسی برگزیدہ بندے حتیٰ کہ ان سے منسوب اشیاء کا ادب و احترام اور تعظیم ازروئے قرآن ایک جائز امر ہے۔

قرآن حکیم میں قربانی کے جانوروں کو بھی شعائر اللہ قرار دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (۱)

''اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کوہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے۔''

بھیڑ، بکریاں، چھترے، گائے جو جانور بھی حج کے دنوں میں اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں شعائر اللہ ہیں۔ اس کے علاوہ عام جانوروں کو شعائر اللہ ہونے کی حیثیت حاصل نہیں خواہ وہ اس جانور جیسا ہی کیوں نہ ہو مثلاً اتفاق سے آپ نے دو بکرے خرید لیے اس نیت سے کہ ایک سے بیٹے کا ولیمہ کرنا ہے اور دوسرے کی قربانی کرنی ہے، اب ایک ہی آدمی ایک ہی بندے سے دو بکرے خرید کر لایا ہے اور دونوں کے پانچ پانچ ہزار روپے دیئے۔ ایک بیٹے کے ولیمے کے لئے اور ایک قربانی کے لئے۔ قربانی والا بکرا اگرچہ عام بکروں کی طرح ہے لیکن شعائر اللہ میں آ جانے کی وجہ سے اس کی تعظیم واجب ہوگئی اور وہ عام بکروں سے ممتاز و مکرم ہوگیا کیونکہ وہ اب **وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ** کے حکم کا مصداق بن گیا، نسبت نے دونوں میں زمین آسمان کا فرق کر دیا۔ اللہ کی رضا کی خاطر قربانی کے لئے خریدنے سے ایک لمحہ پہلے وہ عام جانور تھا مگر جب وہ قربانی کے لئے منسوب ہوگیا تو اب وہ شعائر اللہ بن گیا جس کی تعظیم بھی اللہ کی عبادت ہے۔

یہاں بڑا اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قربانی کیلئے خریدا گیا جانور شعائر اللہ میں

(۱) الحج، ۲۲: ۳۶

شمار ہو گیا تو جو بندہ رضائے الٰہی کے لئے خدا کی راہ میں ذبح ہو گیا اور اس کی نسبت بارگاہِ الٰہی سے مستحکم ہو گئی تو کیا وہ شعائر اللہ میں داخل نہ ہوا؟ بکرا ابھی قربان ہوا نہیں کہ شعائر اللہ ہو گیا اور جس بندہ نے ساری زندگی مولا کیلئے قربان کر دی، جس نے اپنا آرام قربان کر دیا، وقت قربان کر دیا، جان قربان کر دی، عزت قربان کر دی۔ جو سارے کا سارا قربان ہو چکا وہ شہید اور اللہ کا ولی ہو گیا اور اللہ کے ساتھ نسبت پا گیا۔ اس کی نسبتِ شہادت و عبدیت اور بندگی متحقق ہو گئی۔ کیا وہ شعائر اللہ میں شمار نہیں ہوا؟ ضرور ہوا ہے، حکمِ ایزدی کے تحت اس کی جتنی تعظیم کریں سب جائز ہے۔ جس جانور کی نسبت اللہ کی طرف ہو جائے تو شرعاً اس کی تعظیم جائز ہے، اور جو بندہ اپنی بندگی کی وجہ سے اللہ والا ہو گیا ہو اس کی تعظیم کیوں شرک ہو گی؟ ایسا کہنا حد درجہ کی جہالت ہے۔ پس عبادت اور تعظیم میں فرق کرنا ضروری ہے۔

فصل دوم

عبادت اور تعظیم میں فرق

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

مفہومِ عبادت اور تصورِ عبادت سمجھنے میں بعض لوگوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ بہت سے دوسرے تصورات کو عبادت کے ساتھ گڈ مڈ اور خلط ملط کر دیا گیا ہے اور بعض ظاہری مماثلت رکھنے والی چیزوں کی بنیاد پر بہت سی ایسی چیزوں کو عبادت سمجھ لیا گیا ہے جو درحقیقت عبادت نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی چیز کا تصور ہی غلط مراد لے لیا جائے تو پھر اس سے حاصل کردہ اور اخذ کردہ نتائج بھی درست ثابت نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے یہ ایک اصولی بات ہے کہ محض غلط تصور کی بنیاد پر شرک کا فتویٰ صادر کر دینا درست نہیں۔ صحیح فہمِ دین کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک چیز کی شرح و تعبیر اور اس کے صحیح اطلاق کو سمجھا جائے۔ بصورتِ دیگر غلط تصور کی بنیاد پر اخذ کردہ نتائج بھی غلط اور اس کی بنیاد پر لگائے گئے فتویٰ کا حکم بھی غلط ہوگا اور پھر ایسا فہمِ دین بھی یقیناً غلط ہوگا کیونکہ سرے سے بنیاد ہی غلط ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تمام شرعی اور مذہبی معاملات پر بحث اور فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے صحیح تصور کو سمجھا جائے۔

عبادت کا معنی و مفہوم

توحید فی العبادت سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جملہ مخلوقات میں سے کوئی بھی ہستی عبادت میں اس کی شریک نہیں۔ عبادت ایک ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی غایتِ تعظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بندے کی طرف سے انتہا درجے کی تعظیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو سکتی ہے وہ صرف عبادت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی تعظیم کی اس حد کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی بلند ترین ہے جبکہ مخلوق عبادت گزاری کے اعتبار سے ادنیٰ

ترین مقام پر ہے۔ عبادت بندے کی طرف سے اس عظیم ترین ذات کے لئے غایت درجہ ادب و تعظیم، خاکساری اور عجز و تذلل کی آئینہ دار ہے۔ عبد اور معبود کی ان دونوں انتہاؤں کے مابین رابطہ و تعلق پیدا کرنے والی چیز صرف عبادت ہے، یہ چیز اس امر کی متقاضی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اِس لائق ہے کہ اسی کی عبادت و پرستش کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا۔

علمائے عقائد نے عبادت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

هو استحقاقُه سبحانه و تعالى أن يُعبَد وحدَه لا شريكَ له۔[1]

''یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خصوصی استحقاق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے، اس کا کوئی شریک نہیں۔''

اس کی وضاحت مزید یوں کی گئی ہے:

هو إفراد الله ﷻ بجميع أنواع العبادة الظاهرة و الباطنة قولًا و عملًا، و نفي العبادة عن كل ما سوى الله تعالى كائناً من كان۔[2]

''توحیدِ اُلوہیت (عبادت) سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا تمام ظاہری و باطنی قولی اور فعلی جملہ عبادات میں یکتا ہونا۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ ہر ایک چیز کی عبادت کی نفی کی جائے۔''

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝[3]

(۱) ابن ابی العز الدمشقی، شرح العقيدة الطحاوية، ۱: ۳۵

(۲) ابن احمد الحکمی، أعلام السنة المنشورة: ۲۱

(۳) البقرة، ۲: ۲۱

’’اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو (بھی) جو تم سے پیشتر تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ‘‘

۲۔ سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ج قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۝[1]

’’کیا تم واقعی اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود (بھی) ہیں؟ آپ فرمادیں: میں (تو اس غلط بات کی) گواہی نہیں دیتا، فرما دیجئے: بس معبود تو وہی ایک ہی ہے اور میں ان (سب) چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو‘‘

۳۔ سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ج اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ج فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ۝[2]

’’اور اللہ نے فرمایا ہے تم دو معبود مت بناؤ، بیشک وہی (اللہ) معبودِ یکتا ہے، اور تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو‘‘

۴۔ سورۃ الاسراء میں ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۝[3]

’’(اے انسان!) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا (ورنہ) تو ملامت زدہ

---

(۱) الأنعام، ۶: ۱۹

(۲) النحل، ۱۶: ۵۱

(۳) الإسراء، ۱۷: ۳۹

(اور اللہ کی رحمت سے) دھتکارا ہوا ہو کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا٥‘‘

۵۔ سورۃ القصص میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰـهًا اٰخَرَم لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ قف كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ج لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ٥[1]

’’اور تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے (خود ساختہ) معبود کو نہ پوجا کرو، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، حکم اسی کا ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے٥‘‘

۶۔ سورۃ المزمل میں ارشاد فرمایا:

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْـلًا ٥ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْـلًا٥[2]

’’اور آپ اپنے رب کے نام کا ذِکر کرتے رہیں اور (اپنے قلب و باطن میں) ہر ایک سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہیں٥ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، سو اُسی کو (اپنا) کارساز بنالیں٥‘‘

جمہور مفسرین کا نقطۂ نظر

کسی عقیدہ اور مکتبِ فکر کے مسلمہ مفسرین اور اجل ائمہ لغت و ادب کے درمیان عبادت کی تعریف کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا عبادت کے صحیح تصور اور درست معنی و مفہوم سمجھنے کے لئے ان ائمہ و مفسرین کی تشریحات و تعبیرات ماننا ازبس ضروری ہے۔ اکثر مفسرینِ کرام نے سورہ فاتحہ کی آیت ’’اِيَّا كَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ‘‘ کے

(۱) القصص، ۲۸: ۸۸

(۲) المزمل، ۷۳: ۸، ۹

ذیل میں عبادت کی تعریف بیان کرتے ہوئے 'غایت الخضوع والتذلل' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، چند معروف مفسرین کی تعریفات درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام خازن لکھتے ہیں:

والعبادة غاية التذلل من العبد و نهاية التعظيم للرب سبحانه و تعالیٰ لانه العظيم المستحق للعبادة ولا تستعمل العبادة إلا فی الخضوع لله تعالیٰ لانه مولی أعظم النعم۔(۱)

''اور عبادت بندے کی طرف سے عجزوانکساری کی بلند ترین کیفیت اور رب تعالیٰ کے لئے تعظیم کے بلند ترین درجے کا نام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے، اور عبادت کا لفظ فقط اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ وہ عظیم ترین نعمتوں کا مالک ہے۔''

۲۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

إن العبادة عبارة عن نهاية التعظيم۔(۲)

''عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت سے عبارت ہے۔''

۳۔ امام بغوی لکھتے ہیں:

والعبادة الطاعة مع التذلل والخضوع۔(۳)

''عبادت عاجزی اور انکساری کے ساتھ اطاعت بجا لانے کا نام ہے۔''

۴۔ امام زمخشری لکھتے ہیں:

---

(۱) خازن، تفسیر الخازن، ۱: ۱۷

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۱: ۲۴۲

(۳) بغوی، معالم التنزیل، ۱: ۴۱

والعبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل۔[1]

’’عبادت عاجزی اور انکساری کی بلندترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۵۔ امام ابن کثیر کہتے ہیں:

وفي الشرع عبارة عما يجمع كمال المحبة والخضوع والخوف۔[2]

’’شریعت کی رو سے عبادت محبت و تعظیم اور خوف کی انتہائی حالتوں کا مجموعہ ہے۔‘‘

۶۔ امام نسفی لکھتے ہیں:

وهي أقصى غاية الخضوع والتذلل۔[3]

’’عبادت عاجزی اور انکساری کی بلندترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۷۔ امام شوکانی کے نزدیک:

والعبادة أقصى غايات الخضوع والتذلل۔[4]

’’عبادت عاجزی اور انکساری کی بلندترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی جن کا شمار برصغیر کے اجل علماء میں ہوتا ہے بہت بڑے فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مفسرِ قرآن بھی تھے۔ ان کی تفسیر ’’المظہری‘‘ سند کا درجہ رکھتی ہے۔ عبادت کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے بھی وہی لفظ استعمال کئے ہیں جن میں عبادت کا صحیح تصور مذکور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) زمخشری، الکشاف، ۱: ۳

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۲۵

(۳) نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، ۱: ۵

(۴) شوکانی، فتح القدیر، ۱: ۲۲

والعبادة أقصی الخضوع والتذلل۔(۱)

''عبادت عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔''

۹۔ امام محمود آلوسی لکھتے ہیں:

والعبادة أعلی مراتب الخضوع۔(۲)

''عبادت تعظیم کے عمل کی بلند ترین کیفیت کو کہتے ہیں۔''

۱۰۔ امام ابوسعود لکھتے ہیں:

والعبادة أقصی غاية التذلل والخضوع۔(۳)

''عبادت عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔''

۱۱۔ لغتِ قرآن کے امام، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

العبودية: اظهارُ التَّذَلُّلِ، وَالْعِبَادَة أبلغ مِنْهَا، لانها غايةُ التذَلُّل۔(۴)

''عبودیت (بندگی) سے مراد عاجزی اور انکساری کا اظہار ہے لیکن عبادت کا درجہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ عبادت عاجزی کی انتہائی کیفیت کا نام ہے۔''

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ عبادت کی تعریف میں عبد کا لفظ لائے ہیں جو دو معنوں میں استعمال کیا گیا ہے:

۱۔ غلام ۲۔ انسان، بندہ

---

(۱) ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر المظهری، ۱: ۹

(۲) آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۱: ۸۶

(۳) أبو سعود العمادی، تفسیر أبی سعود، ۱: ۱۶

(۴) راغب اصفہانی، المفردات: ۵۴۲

عبودیہ غلامی کو کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عبودیہ کی آخری ترقی یافتہ شکل عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبد کا لفظ بندگی اور عبادت کے معنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور شخص اپنے نوکر اور خدمت گار کے لئے استعمال نہیں کرسکتا۔ یعنی کوئی شخص اپنے غلام اور خدمت گزار کو یہ کہنے کا مجاز نہیں کہ وہ عبد ہے اور میری عبادت کرتا ہے۔ حالانکہ کوئی شخص اپنے غلام کو مجازی معنی میں عبد تو کہہ سکتا ہے کیونکہ وہ اس کا مالک تو ہے، لیکن جو خدمت وہ اس کے لئے سرانجام دیتا ہے وہ عبادت نہیں ہوسکتی کیونکہ عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔

۱۲۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں:

والعبادة ضرب من الشكر وغاية فيه لأنها الخضوع بأعلى مراتب الخضوع مع التعظيم بأعلى مراتب التعظيم ......(۱)

''عبادت شکر کی ایک قسم ہے اور اس کے انتہائی درجے کا نام ہے کیونکہ عبادت عاجزی و تعظیم کے بلند ترین مراتب میں سے ایک ہے۔''

مذکورہ بالا تعریفات میں أقصیٰ مضاف اور **غاية الخضوع والتذلل** مضاف الیہ ہے پس '' **أقصى غاية الخضوع والتذلل** '' کا معنی عجز و تذلل اور انکسار و تعظیم کا انتہائی درجہ ہے۔ امام شوکانی نے غایات کا لفظ استعمال کیا ہے جو غایۃ کی جمع ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ 'عبادت' عجز و انکساری کی بلند ترین کیفیت اور تعظیم کی آخری حد ہے۔ پس عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس عمل میں عاجزی و انکساری کی بلند ترین کیفیت کے ساتھ تعظیم کا انتہائی درجہ شامل ہو۔ اس کے علاوہ ایسے عمل کو جو اس سے کم تر درجے میں ہو اُسے عبادت تصور نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ شوکانی کو غیر مقلدین بھی امام مانتے ہیں۔ انہوں نے اس مقصد کو بہ تمام و

---

(۱) طبرسی، مجمع البيان فی تفسير القرآن، ۱: ۲۶

کمال پورا کیا ہے۔عبادت کے باب میں وہ تعظیم کو بلند ترین درجے پر لے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سلفیوں کے دیگر نظریات کو انھوں نے رد کر کے ان کے دعاوی کو جڑ سے کاٹ دیا ہے۔

عبادت: عجز و نیاز کی اِنتہائی کیفیت اور تعظیم کی آخری حد ہے

تمام اجل مفسرین کے مطابق خضوع و تذلل کی بہت سی صورتیں اور درجات ہیں لیکن عبادت عاجزی و انکساری کا بلند ترین درجہ ہے۔

اس کی کئی مثالیں ہیں جن میں سے فہم کے لئے ایک درج کی جاتی ہے: چالیس طلبہ کی کلاس میں ہم ایک طالب علم کو لیتے ہیں جو اوّل آتا ہے اور گولڈ میڈل کا حقدار قرار پاتا ہے جبکہ دوسرے انتالیس طلباء اپنی کارکردگی اور پوزیشن میں اس سے پیچھے ہیں۔ طالب علم ہونے کے ناطے وہ کلاس کا ایک فرد ہے لیکن جب ہم سب طلباء کا ذکر کریں گے تو یہ کہیں گے کہ وہ صرف طالب علم ہی نہیں بلکہ گولڈ میڈلسٹ بھی ہے۔ اپنی اس حیثیت میں وہ دوسروں سے ممتاز و یگانہ ہے اور درجے میں سب طلباء سے اوپر ہے۔ چاندی کا میڈل جیتنے والا باوجود ممتاز حیثیت رکھنے کے اس سے بھی کم درجے میں ہے اسی طرح کانسی کا میڈل حاصل کرنے والا اس سے بھی کم درجے میں ہے۔ جب آپ طلباء میں تمیز کرتے ہوئے بہتر کارکردگی کے مالک طلباء کو امتیازی اور تعریفی اسناد دیں گے تو یہ تمام طلباء تکریم کے درجہ بہ درجہ حقدار ہوں گے لیکن اعلیٰ درجے کی مظہر صرف ایک سند ہو گی جس نے امتیازات کی تمام حدوں کو عبور کر رکھا ہے۔

عاجزی، تذلل، خاکساری اور عجز و انکسار کی انتہائی شکل جو عبادت کی تعریف پر پوری اترتی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ جب ہم توحید فی العبادت کی بات کرتے ہیں تو اس کا معنی عبادت میں توحید ہے۔ اس کا اطلاق ہم تعظیم پر نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں توحید فی العبادت کا ذکر ہے وہیں اس امر کا ذکر بھی ہے۔

ہر تعظیم عبادت نہیں

عبادت اور تعظیم کی درج بالا بحث سے ثابت ہوا کہ ادب و احترام اور تعظیم کا اعلیٰ ترین درجہ عبادت ہے جس کا حق دار و سزا وار صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے اس میں حقیقت و مجاز کی تقسیم بھی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا عبادت کا کسی کے لئے مجازا اثبات بھی شرک ہے لیکن ہر تعظیم عبادت نہیں کیونکہ کسی بھی عمل کو عبادت قرار دینے کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ بندہ عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد پر ہو...... جبکہ:

انبیائے کرام، صالحینِ عظام، والدین، شیوخ، اساتذہ یا کسی اور معزز ہستی کی عزت و توقیر، ان کا ادب و احترام، ان کی فرمان برداری، تعمیلِ ارشاد اور ان سے منسوب اشیاء کی حرمت و تکریم بھی ان کی تعظیم ہے۔ چونکہ یہ عمل درجۂ عبادت یعنی عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد سے کم تر اور فروتر ہوتا ہے اور اس کی نوعیت بھی عمومی ہوتی ہے اس لئے عبادت کے زمرے میں نہیں آتا اور جائز امر ہے چونکہ کسی بھی طرح توحید سے متعارض و متصادم نہیں لہذا شرک کے دائرے میں ہرگز نہیں آتا۔

۲۔ رب تعالیٰ کے لئے تعظیم کا آخری درجہ ہو...... جبکہ:

انبیائے کرام، صالحینِ عظام اور بڑوں کی عزت و توقیر اور ادب و احترام ان کی تعظیم تو ہے مگر تعظیم کا آخری درجہ ’عبادت‘ نہیں۔ کوئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہرگز نہیں کرتا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص قرار دیا ہو...... جبکہ:

اسلامی تعلیمات اور معاشرتی ادب میں یہ بات شامل ہے کہ افرادِ امت درجہ بدرجہ ایک دوسرے کی عزت و تعظیم کریں۔ اولاد والدین کی تعظیم کرے، شاگرد

استاد کی، چھوٹا بڑے کی، یہ یک ایسا مطلوب و مقبول عمل ہے جسے ترک کرنے والا حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق امت سے خارج ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا.(۱)

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی عزت نہ کی۔‘‘

پس ثابت ہوا کہ عبادت کا مستحق فقط اللہ تبارک و تعالیٰ ہے لہٰذا کسی غیر کو عبادت کا حق دار سمجھنا یا غیر کی عبادت کرنا شرک فی العبادت ہے۔ توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں ما سوائے اللہ رب العزت کے کسی کی عبادت جائز نہیں۔ کسی کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا جاسکتا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شرک عبادت کا مدِمقابل ہے لیکن ادب و احترام اور تعظیم پر مبنی کسی عمل کا شرک سے کوئی مقابلہ اور تضاد نہیں بلکہ تعظیم کا متضاد عمل بے ادبی، گستاخی اور توہین ہے۔

مشرِکین کے شرک کی اَصل وجہ

قرآن مجید کی وہ آیات جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنے، ان کو خدا بنانے اور ان کو دعوائے ربوبیت میں خدا کا شریک بنانے کے واضح اقرار کا اعلان کرتی ہیں ان میں فقط عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو واسطہ بنانے یا کسی کا وہ ادب و احترام اور تعظیم جو درجۂ عبادت میں نہ ہو، اس حکم میں شامل نہیں۔ کفار و مشرکین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم ان بتوں کی عبادت کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ کفر و شرک اس اعتبار سے ہے کہ وہ مشرکین ان بتوں کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

(۱) ترمذی، السنن، کتاب البر و الصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی رحمة الصبیان، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹

www.MinhajBooks.com

قرب کا ذریعہ ہیں۔ وہ کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (1)

’’ہم ان (بتوں) کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔‘‘

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدۂ تقرب کی واضح تکذیب کی ہے کیونکہ اگر وہ مشرکین اپنے اس قول میں صادق ہوتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے نزدیک ان بتوں سے زیادہ قابلِ تعظیم ہوتا اور وہ لوگ غیراللہ کی عبادت نہ کرتے۔ لیکن وہ یہ جانتے ہوئے کہ اسلام میں کسی کو تقرب اِلی اللہ کے لئے وسیلہ بنانا جائز ہے، اس تصور کو بت پرستی کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ توسل کی مشروعیت کے باعث مسلمان ہمارے بتوں کی عبادت کرنے کو نظرانداز کر دیں گے یا نرم گوشہ اختیار کر لیں گے۔ وہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ بتوں کی پوجا کرنے سے ہماری غرض و غایت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں۔ ان کے اس استدلال کو اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا کیونکہ شرک کو کسی بھی عمل اور نیت کے ذریعے پاک اور حلال نہیں کیا جا سکتا۔

مطالعۂ قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بالکل منکر نہیں تھے بسا اوقات وہ اللہ تعالیٰ کو ایک اور سب سے بالا و برتر ہستی مانتے تھے مگر ان کا شرک توحید فی الالوہیت کے باب میں تھا اسی بناء پر ان کے ہاں عقیدۂ توحید کے باب میں خرابی، توحیدِ ربوبیت کی نسبت توحیدِ الوہیت میں زیادہ تھی۔ قبل از اسلام یہود اور دیگر مشرکین عرب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کی طرح اپنے بتوں کو مختلف قبائل سے منسوب کر کے اس کی پوجا کرتے تھے۔ کچھ لوگ تو قبروں کو براہ راست سجدہ کرتے اور بعض قبائل ان قبروں کے اوپر اس مدفون کا بت یا ان کی تصاویر بنا کر رکھ لیتے اور اس کو سجدہ کرتے

(1) الزمر، ٣٩: ٣

تھے سجدہ کرتے ہوئے ان کا تصور یہی ہوتا تھا کہ یہ بت اور مدفون شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع ہیں۔ ان کا یہی عمل دراصل شرک فی الألوہیت تھا۔

امام بخاری نے ان کے اس مشرکانہ عمل کو اس طرح روایت کیا ہے۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہود کے متعلق فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (۱)

''اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجود بنا لیا تھا (یعنی وہ براہِ راست قبروں کی عبادت کرتے تھے)۔''

۲۔ اس طرح ایک اور روایت میں ان کے اس مشرکانہ رجحان اور وطیرہ کو حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید واضح فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ وَ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ویتخذ مکانھا مساجدا، ۱: ۱۶۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، باب النھی عن بناء المساجد علی القبور واتخاذ الصور، ۱: ۳۷۶، رقم: ۵۲۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ و یتخذ مکانھا مساجدا، ۱:۱۶۵، رقم: ۴۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب النھی عن بناء المساجد علی القبور و اتخاذ الصور، ۱:۳۷۵، رقم: ۵۲۸

''حضرت اُمِ حبیبہ اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس میں بت اور مورتیاں تھیں، پس انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے اور اس میں اس کی مورتی بنا لیتے وہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔''

۳۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

صَارَتِ الأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي العَرَبِ بَعْدُ، أَمَّا وَدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ، وَ أَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَ أَمَّا يَغُوثُ كَانَتْ لِمُرَادٍ، ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالجَوْفِ عِنْدَ سَبَإٍ، وَ أَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَ أَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِي الكَلاَعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِن قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُوْنَ أَنْصَابًا وَ سَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَ تَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ ـ(۱)

''جو بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے وہی بعد میں اہل عرب نے اپنے معبود بنا لئے۔ **وَد** بنی کلب کا بت تھا جو دومۃ الجندل کے مقام پر رکھا ہوا تھا۔ **سواع** بنی ہذیل کا بت تھا، **یغوث** بنی مراد کا بت تھا، پھر یہی بنی غطیف کا بھی الٰہ بن گیا جو سبا کے پاس جوف میں تھا۔ **یعوق** قبیلہ ہمدان کا اور **نسر** ذی الکلاع کی آلِ حمیر کا بت تھا۔ یہ حضرت نوح کی قوم کے نیک آدمیوں کے نام ہیں جب وہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ودًا ولا سواعًا ولا یغوث ولا یعوق، ۴: ۱۸۷۳، رقم: ۴۶۳۶

میں یہ بات ڈالی کہ جن جگہوں پر وہ اللہ والے بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے بنا کر رکھ دو اور ان بتوں کے نام بھی ان صالحین کے نام پر ہی رکھ دو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا کر دیا لیکن ان کی پوجا نہیں کرتے تھے جب وہ لوگ دنیا سے چلے گئے اور علم بھی کم ہوگیا تو ان کی پوجا و پرستش ہونے لگ گئی۔‘‘

مندرجہ بالا روایات سے درج ذیل امور واضح ہوئے:

۱۔ مشرکین قبور کو تعظیماً سجدہ نہیں کرتے تھے بلکہ قبر کو معبود سمجھ کر اس کی طرف سجدہ کرتے تھے۔

۲۔ انہوں نے باقاعدہ بت تراش رکھے تھے جو قبروں کے اوپر نصب تھے اور سجدہ کرتے وقت وہ اس قبر کو بھی اور اس کے اوپر رکھے ہوئے بت کو بھی پوجتے تھے۔

۳۔ مشرکین نے ان صالحین کے قیام گاہوں پر ’’تھان‘‘ یعنی چبوترے بنا رکھے تھے جن پر ان بزرگوں کے مجسمے بنا کر رکھے جاتے تھے اور انہی چبوتروں پر وہ جانور بھی ذبح کرتے تھے۔

۴۔ اس خون کو وہ عبادتاً اور تقرباً ان چبوتروں پر مل دیتے تھے۔

۵۔ اس خودساختہ عبادت کو وہ اللہ کی قربت اور شفاعت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

آج جو لوگ مزاراتِ انبیاء و اولیاء کی تعظیم کو شرک کے زمرے میں شامل کرتے ہیں اور مزارات پر حاضری کو خلافِ توحید سمجھتے ہیں انہیں دراصل مشرکین کے اسی عمل سے مغالطہ ہوتا ہے حالانکہ مشرکین کا عمل مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر واضح اور صریح شرک تھا۔ ان دونوں افعال میں بعد المشرقین ہے۔ دونوں کو ایک جیسا سمجھنے سے قبل ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ شرک کا اطلاق کرتے ہوئے اس کی حقیقت اور تاریخ کو ملحوظ رکھا کریں۔ توسل تعظیم اور عبادت میں واضح فرق کو سامنے رکھے بغیر فتوی لگانے سے ہی فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

اہلِ اسلام کا عمل اس سے بالکل برعکس ہے۔ مسلمان مزارات پر صرف اس لیے جاتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی قربت محبت اور اطاعت کی وجہ سے قابلِ احترام

سمجھتے ہیں۔ نہ وہاں پر کسی ولی کا بت اور مورتی بنائی جاتی ہے، نہ اس کی پوجا پاٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کسی چبوترے پر جانور ذبح کر کے خون ملا جاتا ہے۔ الغرض اسبابِ شرک میں کوئی سبب اہلِ اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ رہا قبروں کا احترام کرنا اور ان پر دعا وتوسل کے لئے جانا تو یہ نصِ حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا۔ (۱)

''میں تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا کرتا تھا، پس اب زیارت کیا کرو۔''

اہلِ اسلام صالحین کی قبور پر نہ تو مشرکین کی طرح جانور ذبح کرتے ہیں نہ ان کی عبادت کرتے ہیں نہ وہاں بت رکھے ہوئے ہیں نہ ان کے مجسمے اور نہ انہیں سجدہ کیا جاتا ہے۔ اور نہ اُن سے حاجتیں مانگتے ہیں، بلکہ فرمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ان کی حاضری کا مقصد صرف اور صرف اصلاحِ احوال اور تذکیرِ آخرت ہوتا ہے۔

مشرکین کے جھوٹ کی حقیقت

اللہ پاک نے مومنین کو کفار کے بتوں کو گالیاں دینے سے روکا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ **وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا م بِغَيْرِ عِلْمٍ۔** (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنائز، باب استئذان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربه عزوجل فی زيارة قبر أمه، ۲: ۶۷۲، رقم: ۹۷۷

۲۔ ترمذی، السنن، كتاب الجنائز عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی الرخصة فی زيارة القبور، ۴،۳: ۳۷۰، رقم: ۱۰۵۴۔ وزاد: فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْآخِرَةَ

۳۔ ابوداود، السنن، كتاب الجنائز، باب فی زيارة القبور، ۳: ۲۱۸، رقم: ۳۲۳۵

(۲) الانعام، ۶: ۱۰۸

’’اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے امام عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر طبری، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے ردِعمل میں کفار بھی اللہ تعالیٰ کو برا کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آیتِ مذکورہ نازل فرمائی اور مسلمانوں کو تاکیدی الفاظ میں ان جھوٹے معبودوں کے متعلق تنقیص کا کلمہ کہنے سے روک دیا۔ کیونکہ یہ بت پرست جن بتوں کے بارے میں صمیمِ قلب سے الٰہ ہونے اور نفع وضرر کے مالک ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے ان کے متعلق مسلمانوں کا کلمۂ تنقیص ان بت پرستوں کے غصہ کا سبب بنتا تھا۔ وہ مغلوب الغضب ہو کر جواب میں مسلمانوں کے حقیقی الٰہ اور سچے رب کو برا کہنے لگتے تھے۔ بتوں کی تنقیص برداشت نہ کرنا اور اللہ رب العالمین کو برا بھلا کہنا انہوں نے اپنا شیوہ بنا لیا تھا ان کا یہ عمل دراصل ان کے اندر کا جھوٹ اور فریب تھا جس کے اظہار میں وہ طبعًا مجبور تھے۔ حالانکہ وہ دعویٰ یہ کرتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت معبودِ حقیقی کی قربت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دجل کا پردہ چاک کیا۔ اگر وہ لوگ اپنے اس دعویٰ میں صادق ہوتے تو بتوں کو برا کہنے والوں سے انتقام و بدلہ لینے کی وجہ سے اللہ عزوجل کو برا کہنے کی جرأت نہ کرتے چونکہ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا مرتبہ و مقام بتوں سے کم تھا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے رُوگردانی کرتے تھے اور ان بتوں کا احترام اللہ تعالیٰ کے احترام سے زیادہ کرتے تھے۔ متعدد آیاتِ قرآنی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ان مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مرتبہ ان بتوں سے کم تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۲۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَاۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِۚ

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○[۱]

''انہوں نے اللہ کے لئے انہی (چیزوں) میں سے ایک حصہ مقرر کر لیا ہے جنہیں اس نے کھیتی اور مویشیوں میں پیدا فرمایا ہے پھر اپنے گمانِ (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے (خود ساختہ) شریکوں کے لئے ہے پھر جو (حصہ) ان کے شریکوں کے لئے ہے سو وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا اور جو (حصہ) اللہ کے لئے ہے تو وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے، (وہ) کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں○''

اگر ان کفار و مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مرتبہ ان معبودانِ باطلہ سے کم نہ ہوتا تو وہ ان کو اس طرح اللہ تعالیٰ پر ترجیح نہ دیتے جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، اسی بناء پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ'' (وہ کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں)۔

۳۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ج وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○[۲]

''اور جب تنہا اللہ ہی کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل گھٹن اور کراہت کا شکار ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور جب اللہ کے سوا اُن بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے (جنہیں وہ پوجتے ہیں) تو وہ اچانک خوش ہو جاتے ہیں○''

تاریخی تناظر میں اس کی مثال قبولِ اسلام سے پہلے غزوۂ احد کے موقع پر

---

(۱) الأنعام، ۶: ۱۳۶

(۲) الزمر، ۳۹: ۴۵

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا وہ قول ''أُعْلُ هُبَل'' ہے جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔ جب لشکرِ کفار و مشرکین نے مؤمنین کو عارضی خسارے میں مبتلا کیا تو ابوسفیان نے اپنے بت ہُبل کی علویت کا نعرہ بلند کیا: ''أُعْلُ هُبَل''۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر کہا: اَللّٰهُ أَعْلَى وَ أَجَلُّ (اللہ ہی سب سے بلند و برتر ہے)۔ یہ سن کر پھر ابوسفیان نے کہا: لَنَا الْعُزَّى وَلَا عُزَّى لَكُمْ (ہمارے لئے عزیٰ بت ہے اور تمہارے لئے کوئی عزیٰ نہیں)۔ اس کے جواب میں پھر مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر کہا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلَى لَكُمْ (اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں)۔[1]

خلاصۂ کلام

اس بحث کا خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مشرکین اگرچہ بتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ بناتے تھے مگر ان کا یہ بیان محض دھوکا، فریب اور دجل تھا جسے قرآن نے کئی مقامات پر رد کر دیا اور ان کی بت پرستی کو شرک جیسے گناہ عظیم کے زمرے میں ہی رکھا۔ انسانی تاریخ کے کسی دور میں کسی پیغمبر کے عہدِ نبوت میں شرک کبھی بھی جائز نہیں رہا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ شریعت بدلتی رہی، احکام بدلتے رہے، قانون بدلتے رہے۔ حلال، حرام، جائز ناجائز پر مبنی شریعت کے احکام بدلتے رہے۔ ہر پیغمبر کو اللہ نے نئی شریعت دی مگر شرک کسی بھی شریعت میں کبھی بھی جائز نہیں تھا۔ چونکہ ہر پیغمبر یہ دعوت لے کر آیا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ شرک نہ کرو، شرک کا انکار اور توحید کی دعوت ہر پیغمبر کا منصب تھا۔ تمام انبیاء کرام اس تصور کو اجاگر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے کہ جہاں ایک طرف اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں وہیں کسی کی بھی تعظیم نہ صرف جائز بلکہ ایک مستحب عمل ہے جس کی تحسین اور سفارش اس کے پسندیدہ ہونے کی بناء پر کی گئی ہے۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوة أحد، ۴: ۱۴۸۶، رقم: ۳۸۱۷

شرعاً تعظیم کے جائز اور واجب طریقے

جیسا کہ آغازِ کلام میں بھی واضح کیا گیا کہ بعض لوگ تعظیم اور عبادت کو گڈمڈ کرتے ہوئے تعظیم پر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں حالانکہ تعظیم نہ صرف یہ کہ شرک نہیں بلکہ تعظیم کی کئی صورتیں شرعًا واجب بھی ہیں۔ ذیل میں تعظیم کی مختلف شکلیں اور صورتیں الگ الگ بیان کی جارہی ہیں۔ ان میں سے بعض کی آئندہ صفحات میں تشریح و توضیح بھی آ رہی ہے۔ تعظیم کے جائز طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تعظیم بالقیام	۵۔ تعظیم بالزیارت
۲۔ تعظیم بالاستقبال	۶۔ تعظیم بالتوجہ
۳۔ تعظیم بخلع النعال	۷۔ تعظیم بالمحبت
۴۔ تعظیم بالتقبیل	۸۔ تعظیم بالتبرک

شریعت میں تعظیماتِ واجبہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تعظیم الوہیت	۹۔ تعظیم اکابر و مشائخ
۲۔ تعظیم رسالتِ مآب ﷺ	۱۰۔ تعظیم والدین
۳۔ تعظیم انبیاء علیھم السلام	۱۱۔ تعظیم شعائر
۴۔ تعظیم قرآن	۱۲۔ تعظیم شہورِ مقدسہ
۵۔ تعظیم حدیث	۱۳۔ تعظیم ایامِ مقدسہ
۶۔ تعظیم اہل بیت	۱۴۔ تعظیم اماکن مقدسہ
۷۔ تعظیم صحابہ	۱۵۔ تعظیم آثار مبارکہ
۸۔ تعظیم اَولیاء و صالحین	

ہم آئندہ صفحات میں تعظیم کے انہی جائز طریقوں کو قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔

www.MinhajBooks.com

باب دوم

تعظیم بالمحبت اور اُس کی اَقسام

فصل اَوّل: محبت کا معنی و مفہوم اور اَقسام

فصل دوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعظیم بالمحبت کی مثالیں

فصل سوم: تعظیم بالقیام

فصل چہارم: تعظیم بالتقبیل

فصل پنجم: تعظیم بخلع النعال

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

محبت کا معنی و مفہوم اور اَقسام

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

محبت کا لغوی معنی و مفہوم

ائمہ لغت و ادب نے باعتبار اصل اور مادہ محبت کے متعدد معانی و مطالب بیان فرمائے ہیں۔ چند اہم مفاہیم درج ذیل ہیں:

پہلا مفہوم

اَلحَبُّ وَالْحَبَّةُ (بفتح حا) گندم، جو اور دیگر اناج کے دانے کو کہتے ہیں جبکہ خوشبودار پودوں اور پھولوں کے بیج کو الحِبُّ والحِبَّةُ (بکسر حا) کہتے ہیں۔[1]

قرآن حکیم کی متعدد آیات اس معنی کی تصدیق کرتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ[2]

”ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں)۔“

ایک اور آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰى۔[3]

”بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑ نکالنے والا ہے۔“

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱: ۲۹۳

۲۔ رازی، مختار الصحاح، ۱: ۵۱

(۲) البقرہ، ۲: ۲۶۱

(۳) الانعام، ۶: ۹۶

ایک صحیح حدیثِ مبارکہ میں بھی حِبَّۃٌ بمعنی بیج استعمال ہوا ہے۔ اس طویل حدیث کی متعلقہ عبادت یوں ہے:

كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ۔(۱)

''جیسے گھاس پات کے بیج جو سیلاب کے بہاؤ میں اگ آتے ہیں۔''

یہ حقیقت ہے کہ کسی درخت یا پھل کا بیج ہی اس کی اصل ہوتا ہے اور پورے پودے کا مغز بھی۔ یہی بیج دراصل اس پودے سے حاصل ہونے والا دانا ہے جو بیج کی صورت میں اس پودے کی اصل بن جاتا ہے۔ یہ پودا اپنی ننھی سی کونپل سے بڑھ کر اگر ایک تناور درخت بھی بن جائے، اس پر پھل پھول بھی لگ جائیں لیکن پھر بھی اس پودے میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی بیج کا اثر ہوتا ہے۔ الغرض اسکی شاخیں، پتے اور اس درخت سے جو جو چیز بھی حاصل ہوتی ہے وہ اسی بیج کے دانے سے نکلتا ہے۔ اس سے بھی دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ اس درخت کا جس طرح آغاز یعنی پیدائش اس بیج سے ہوتی ہے اور اس درخت کے پھل جب پکتے ہیں تو کھانے کے بعد وہی بیج دوبارہ حاصل ہو جاتے ہیں جس سے اس کی ابتداء ہوئی تھی۔ گویا اس درخت کی ابتداء اور انتہا بھی وہی بیج بنا۔ اس لیے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ بیج ہی درخت کا سارا کچھ ہوتا ہے۔

محبت ہی سب کچھ ہے

لفظ محبت کا مادہ اشتقاق اگر حَبَّۃٌ یا حِبَّۃٌ مانا جائے تو اس لغوی مفہوم کے اعتبار سے محبت انسانی سیرت وکردار کے پورے درخت کی اصل قرار پاتی ہے۔ جس طرح بیج

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ۵:۲۴۰۰، رقم: ۶۱۹۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، ۱:۱۶۵، رقم: ۱۸۲

پودے کا نچوڑ، مغز اور ماحصل ہوتا ہے اسی طرح محبت کو بھی اسی لیے محبت کہتے ہیں کہ وہ بھی پوری حیات انسانی میں سب سے موثر شے ہے۔ انسانی زندگی کے ساتھ محبت کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ انسان کے ہر عمل اور اس کی سیرت و کردار کے ہر گوشے میں محبت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے انسانی سیرت و کردار کا پودا جو بعد میں تناور درخت بن کر مخلوقِ خدا کو اپنی فیض رسانی کے پھل فراہم کرتا ہے از ابتدا تا انتہا اسی محبت سے تشکیل پا رہا ہوتا ہے۔ حیاتِ انسانی میں اس کے شجر کردار پر حسن سیرت کے شیریں پھل لگیں یا مروت و احسان کے خوشنما پتے، اخوت و بھائی چارے کی پر بہار شاخیں ہوں یا تقویٰ پرہیز گاری کے پرمہک پھول سب میں محبت کے بیج کی اثر آفرینی اور دل رُبائی ہوتی ہے۔

انسانی جسم میں محبت کا یہ بیج دل کی زمین پر پھوٹتا ہے اور حدیث صحیح کے مطابق دل چونکہ پورے جسم کا مرکز ہے اس لیے اس مرکز میں پلنے والا محبت کا ہر پودا پورے انسانی احساسات وجذبات پر فوقیت رکھتا ہے اورانسانی سیرت و کردار کے سارے درخت میں اوّل سے آخر تک اس کا رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

محبت کا معنی بیان کرتے ہوئے امام ابوالقاسم قشیریؒ جو اکابر صوفیاء میں سے ہیں، نے بھی اسی حقیقت کی تصدیق فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ’’یہ لفظ (محبت) حِبَّۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جنگلی بیج کے ہیں چنانچہ جس طرح بیج نباتات کا مغز ہے اسی طرح محبت بھی زندگی کا مغز ہے اس لیے اس کا نام حُبّ رکھا گیا ہے۔ (۱)

دوسرا مفہوم

مذکورہ بالا پہلے معنی کی بناء پر حَبٌّ وحِبَّۃٌ کی جمع حَبَبٌ کا معنی دانتوں کی برابر قطار کا کیا جاتا ہے اور حَبَبُ الْاَسْنَان کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کا معنی دانتوں کی

(۱) أبو القاسم القشیری، الرسالة القشیریة: ۱۷۵

ہمواری اور موزونیت ہے۔ اسی طرح شکل وصورت میں مشابہت کی بناء پر پانی کے بلبلوں کو بھی حَبَبُ الْمَاء کہا جاتا ہے۔(۱)

چونکہ تیز بارش یا آبشار کا پانی گرتے وقت پانی پر بلبلے جوش سے بنتے ہیں یا پھر پانی کو آگ پر رکھا جائے تو تپش کی شدت سے بھی بلبلے بنتے ہیں اس لیے محبت کو بھی حَبَابُ الْمَاء سے مشتق سمجھا جاتا ہے کیونکہ محبت بھی محبوب کے فراق میں تڑپنے اور مضطرب رہنے کو کہتے ہیں۔ جس طرح پانی پر اٹھنے والے بلبلے پانی کے جوش کو ظاہر کرتے ہیں اسی طرح جب کوئی دل کسی طرف جھکاؤ اور میلان پیدا کرے اور اس کو ملنے اور دیکھنے کی رغبت اور شوق شدت اختیار کرے اور بالآخر جب یہ اشتیاق جوش مارنے لگے تو دل کے اس جوش کی کیفیت کو محبت کا نام دیا جاتا ہے۔

آگ کے بھڑکنے کو بھی عربی میں حَبْحَبَۃُ النَّار کہا جاتا ہے۔(۲) اس لیے جب کسی کے دل میں محبوب کے ہجر و فراق اور جدائی کے الاؤ دہک رہے ہوں تو اس حالت کو بھی محبت کہا جاتا ہے۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اِک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

اِس معنی کی تصدیق حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ نے **کشف المحجوب** میں فرمائی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''بعض لوگ کہتے ہیں: محبت مشتق ہے حَبَابُ الْمَاء (پانی کا بلبلہ) سے کہ شدید بارش کے جوش میں نمودار ہوتا ہے۔ محبت کا نام حب کر دیا کیونکہ وہ بھی دل کا جوش ہوتا ہے۔ دوست کے اشتیاقِ دید میں اہلِ محبت کا دل ہمیشہ شوقِ

(۱) ۱۔ راغب اصفہانی، المفردات، ۱: ۲۸۷
۲۔ رازی، مختار الصحاح، ۱: ۵۱

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱: ۲۹۶

دید میں بے قرار و مضطرب رہا کرتا ہے۔ جسم روح کے لیے بے قرار ہوتا ہے اور اس کا قیام ہی روح پر منحصر ہے۔ اسی طرح دل محبت پر قائم ہے اور محبت کا قیام محبوب کے دیدار اور ملاقات پر موقوف ہے۔‘‘(۱)

اسی طرح امام ابو القاسم قشیریؒ نے **الرسالة القشيرية** میں فرمایا:

’’بعض لوگ کہتے ہیں کہ سخت بارش کے وقت جو بلبلے اٹھتے ہیں انہیں **حَبَابُ الْمَاء** کہا جاتا ہے۔ اس بناء پر محبوب کی ملاقات کے جوش اور پیاس کے بھڑکنے کا نام محبت ہے۔‘‘(۲)

تیسرا مفہوم

محبت کا یہ مفہوم مذکورہ بالا دونوں مفاہیم سے منفرد اور عجیب تر ہے۔ اس معنی کے مطابق کسی کے ثابت قدم رہنے اور کسی حالت پر مُصِر ہو جانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس طرح اونٹ جب کسی جگہ اتنا جم کر بیٹھ جائے کہ سو بار کوشش کرنے سے بھی وہاں سے نہ اٹھے بلکہ بدستور اسی جگہ ڈٹا رہے تو تو عربی محاورے میں اس کی اس حالت کو **أَحَبَّ الْبَعِيْرُ** کہا جاتا ہے۔(۳)

لہٰذا اسی محاورے کی مناسبت سے اگر محبت کو **احب البعير** سے استعارةً نکلا ہوا لفظ مان لیں تو محبت کا معنی ہوگا کہ جب کسی مرغوب چیز کی یاد، اُس کا اُنس اور چاہت کسی کے دل میں اتنی شدت سے جم جائے اور جڑیں پکڑ لے کہ محبّ کو اگر لاکھ خطرات کا مقابلہ کیوں نہ کرنا پڑے وہ برابر اسی محبت میں محو اور مستغرق رہے۔ اس کی اپنی مطلوبہ شے کے

---

(۱) علی ہجویری، کشف المحجوب: ۴۱۸

(۲) أبو القاسم القشيری، الرسالة القشيرية: ۵۷۰

(۳) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱: ۲۸۹

۲۔ فيروز آبادی، القاموس المحيط، ۱: ۹۱

لئے اس استقامت کو محبت سے تعبیر کیا جائے گا۔

اس طرح کسی کی یاد کا دل کی گہرائیوں میں اتر جانا اور محبت میں اتنا رسوخ پیدا کر لینا کہ انسان کی جان جاتی ہے تو جاتی رہے مگر محبوب کی یاد سے کسی پل غفلت نہ برتے اور تعلق نہ ٹوٹے۔ لہٰذا رسوخ کی اس کیفیت کو بھی محبت کہتے ہیں۔

چوتھا مفہوم

محبت کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا مادہ ''حُبّ'' ہے اور حب

الْجَرَّةُ أَو الضَّخْمَةُ مِنْهَا۔[1]

''اس مٹکے کو کہتے ہیں جو لبالب پانی سے بھرا ہوا ہو۔''

اگر اس مٹکے میں مزید پانی ڈالنے کی کوشش کی جائے تو اس میں پہلے سے بھرا ہوا پانی مزید پانی کو مٹکے میں نہیں آنے دیتا بلکہ منہ سے ہی باہر گرا دیتا ہے۔ جب مٹکے کی اس کیفیت کو ''حُب'' کہتے ہیں تو اس معنی کی مناسبت سے اب محبت کا مفہوم یہ ہوگا:

دل کا مٹکا یا برتن کسی کی یاد سے یوں بھر جائے کہ اس میں مزید کسی اور کی یاد کے دخول کی گنجائش نہ رہے اور کوشش کے باوجود بھی کسی کا خیال دل میں جگہ نہ پکڑ سکے اور دل کا ہر گوشہ محبت کے پانی سے یوں پُر ہو کہ اسے مزید کسی چیز کی حاجت نہ رہے، بس ہر وقت اپنے محبوب کے قرب و وصال کی تڑپ اسے بے چین رکھے۔

مٹکے کی اس بھری ہوئی کیفیت سے محبت کا معنی اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اس کی تصدیق بھی عشاق کے طرزِ عمل سے ملتی ہے جو محبوب کے علاوہ کبھی کسی غیر کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتے۔ اگر دنیا کی بڑی سے بڑی کشش اور لالچ بھی ان کی راہ میں حائل ہو تو وہ پائے حقارت کی ٹھوکر سے اسے ایک طرف کر کے آگے نکل جاتے ہیں۔ محبت کا یہی

(۱) فیروز آبادی، القاموس المحیط، ۱: ۹۱

www.MinhajBooks.com

معنی رسالہ قشیریہ میں بھی بیان کیا گیا، اور محبت کے اسی مفہوم سے ملتا جلتا ایک مفہوم حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ آپ ایک مثال کے ذریعے وضاحت کرتے ہوئے یوں بیان فرماتے ہیں:

''یہ بھی کہتے ہیں کہ لفظِ ''حُب'' (محبت) حبی سے ماخوذ ہے جس کا معنی ایسا گھڑا ہے جس میں پانی بہت ہو۔ پانی نظر کی راہ میں حائل ہو اور آنکھ اس میں دیکھ نہ سکتی ہو۔ اسی طرح جب محبت دل میں جاگزیں ہوکر دل کو لبریز کر دیتی ہے تو اس میں بجز محبوب کسی چیز کے لیے جگہ نہیں رہتی۔

''جب حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی محبت کی خلعت سے سرفراز فرمایا تو وہ محض طاعتِ حق کے لیے دنیا سے الگ ہوگئے اور سب اہلِ عالم ان کے سامنے ایک پردۂ حائل کی شکل ہوکر رہ گئے۔ آپ اس حائل شدہ پردہ سے بیزار تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس حال اور مقام کو یوں بیان فرمایا:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيٓ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ۝[1]

''پس وہ (سب بُت) میرے دشمن ہیں سوائے تمام جہانوں کے رب کے (وہی میرا معبود ہے)۝''

''اور اس موضوع پر شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں: ''محبت کا نام اس لیے محبت ہے کہ وہ دل سے محبوب کے سوا ہر چیز کو مٹا دیتی ہے۔''[2]

پانچواں مفہوم

حُب کی ایک تعریف یوں بھی کی جاتی ہے:

---

(۱) الشعراء، ۲۶: ۷۷

(۲) علی ہجویری، کشف المحجوب: ۴۱۷

الخشبات الأربع تُوضَعُ عليها الجَرَّة ذاتُ الْعُرُوَتَين.(۱)

''وہ چار لکڑیاں جن پر دو چوبوں والا مٹکا رکھا جاتا ہے۔''

امام ابوالقاسم قشیریؒ لکھتے ہیں:

حُب سے مراد وہ چار لکڑیاں لی جاتی ہیں جن پر مٹکا رکھا جاتا ہے اور وہ لکڑیاں ہرحالت میں اس مٹکے کے بوجھ کو برداشت کرتی ہیں اور محبت بھی محبوب کی طرف سے ہر عزت وذلت کو برداشت کرتی ہے۔''(۲)

حضرت داتا صاحبؒ اس معنی کی حقیقت پر یوں رقم طراز ہیں:

''بعض کہتے ہیں کہ حُبّ دراصل وہ ''چار چوبہ'' ہے جس پر پانی کا برتن رکھا جاتا ہے۔ محبتِ حق کو حُب اس لیے کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی مِنَ اللہ ہو یعنی عزت، راحت، تکلیف، آفت، آسائش، وفا اور جفا سب بطیبِ خاطر برداشت کرنا ہوتا ہے اور کسی حالت میں بھی کوئی چیز گراں نہیں گزرتی کیونکہ محبت کا مقصود ہی یہ ہے جیسے کہ وہ چار چوبہ جو پانی کے مٹکے کا بوجھ برداشت کرتا ہے محبت کی تکلیف اور خلقت ہی دوست کا بوجھ اٹھانے کے لیے ہے۔''(۳)

الغرض محبت کے بہت سے معانی و مفاہیم ہیں جو علماءِ لغت و ادب اور صوفیاء کرام نے باعتبار لغت وضع فرمائے ہیں ہم نے اختصار کے باعث مندرجہ بالا پانچ معانی کو ہی محبت کا مفہوم سمجھانے کے لیے کافی سمجھا ہے۔ خلاصۃً ہم ان معانی کا مفہوم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ:

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱: ۲۹۵

۲۔ فراهيدى، كتاب العين، ۳: ۳۲

(۲) قشيرى، الرسالة القشيرية: ۱۷۵

(۳) على ہجويرى، كشف المحجوب: ۴۱۷

محبت خالصتاً دل کی کیفیت ہے۔ اس لیے محبوب کو دیکھنے، اس سے ملنے اوراس کی قربت حاصل کرنے کے لیے اوّلاً دل میں 'اشتیاق' پیدا ہوتا ہے اور پھر جذبات پرجوش ہوتے ہیں تو یہی کیفیت 'محبت' میں بدلتی ہے اور اس میں کمال 'عشق' کی صورت میں نصیب ہوتا ہے۔

محبت کا اِصطلاحی مفہوم

اَئمہِ کرام نے محبت کا اصطلاحی مفہوم بھی بیان کیا ہے:

۱۔ امام غزالیؒ نے محبت کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے:

فالحُبّ عبارة عن ميل الطبع إلى الشيئ الملذ. فإن تأكد ذلك الميل و قوی سمي عشقاً۔[۱]

''کسی خوشنما اور پسندیدہ چیز کی طرف طبیعت کا مائل ہونا محبت کہلاتا ہے، اگر اس میلان میں پختگی اور تقویت پیدا ہوجائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔''

۲۔ امام راغب اصفہانیؒ محبت کی تعریف کرتے ہیں:

إرادة ما تراه أو تظنّه خيرًا۔[۲]

''محبت ایسا ارادہ ہے جو دیکھنے میں اور گمان کرنے میں آپ کو بھلا لگے۔''

ان تعریفات سے معلوم ہوا کہ کسی بھی پسندیدہ، منتخب اور پیاری چیز یا ذات کی طرف قلبی میلان کو 'محبت' کہتے ہیں، اوراس میں بھلائی و خیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ امام راغب اصفہانی نے 'خیر' کی شرط اس لئے لگائی کہ یہ آپ کو راہِ راست سے بھٹکانے والی نہ ہو، دوسرے الفاظ میں انہوں نے دنیاوی محبت، مال کی محبت، نفسانی محبت، خواہشات کی محبت

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۴: ۲۹۶

(۲) راغب أصفهانی، مفردات القرآن، ۱: ۲۸۷

اور شہوات پر مبنی عورتوں کی محبت کی نفی فرمائی ہے جو انسان کو گمراہ کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ بھلائی اور خیر پر مبنی 'محبت' دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہلِ بیت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، قرآن، دین، احکام، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حسنہ اور شہوات وحرص سے پاک مخلوق کی محبت پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسی تعلقِ محبت کو جب پختگی اور تقویت میسر آ جائے تو وہ 'عشق' میں بدل جاتی ہے۔

محبت کی اقسام

بنیادی طور پر محبت کی چار اقسام ہیں ان میں سے دو مثبت پہلو رکھتی ہیں جبکہ دو منفی پہلو۔ وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ محبتِ واجبہ	۲۔ محبتِ محمودہ
۳۔ محبتِ محرّمہ	۴۔ محبتِ مذمومہ

۱۔ محبتِ واجبہ

محبتِ واجبہ میں پہلا درجہ اللہ رب العزت کی محبت کا ہے اس کے بعد اُن مقدس ہستیوں سے محبت واجب ہے جو باری تعالیٰ کی محبت اور قربت کا باعث بنتی ہیں۔ اس کی درج ذیل اقسام ہیں۔

(ا) محبتِ اِلٰہی

اللہ رب العزت کی محبت دین اسلام کی اصل ہے۔ اس کے کمال سے دین کو کمال ملتا ہے اور اس میں کمی کجی سے دین میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ ایمان والوں کی اللہ رب العزت سے کیسی محبت ہوتی ہے اس پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔(۱)

(۱) البقرة، ۲: ۱۶۵

''اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔''

ایمان والوں میں سے جو لوگ اللہ رب ذوالجلال کی محبت کو ٹھکرا دیتے ہیں اور احکامِ الٰہی سے رُخ پھیر لیتے ہیں اُن کو اِن الفاظ میں تنبیہ کی گئی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ۔ (۱)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ (ان کی جگہ) ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔''

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خصوصاً حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس سے محبت کرنے والے اولیاء و صالحین کی محبت اور اس کی محبت کے حصول میں معاون عملِ صالح کو طلب کیا کرتے تھے۔ حضرت ابودَرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَ حُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَ أَهْلِي وَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ. (۲)

---

(۱) المائدة، ۵: ۵۴

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب في عقد التسبيح باليد، ۵:۵۲۲، رقم: ۳۴۹۰

۲۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۴۷۰، رقم: ۳۶۲۱

۳۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۲۷۱، رقم: ۴۸۱۰

۴۔ ابن سرایا، سلاح المؤمن في الدعاء، ۱: ۵۰۲، رقم: ۹۵۸

’’حضرت داؤد علیہ السلام دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت کرنے والے کی محبت اور ایسے عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ یا اللہ! تُو اپنی محبت کو میری جان، میرے اہل و عیال اور (پیاسے کے لئے) ٹھنڈے پانی سے بھی بڑھ کر میرے لئے محبوب بنا دے۔‘‘

قران و سنت پر مشتمل دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر لمحہ اللہ رب العزت کی محبت کو طلب کرتے رہنا چاہیے اور اس پر استقامت رکھنی چاہیے۔

(ب) محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ رب العزت کی محبت کی طرح محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی واجباتِ دین میں سے ہے۔ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسے اپنے والدین، اولاد، رشتہ دار، عزیز و اقارب، تمام لوگ حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام سے محبت نہ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَ وَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (۱)

’’تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اُس کے والد (یعنی والدین)، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔‘‘

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب حُبّ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الإِيْمَانِ، ۱:۱۴، رقم: ۱۵

۲۔ مسلم، صحیح، کتاب الإیمان، باب وجوب محبّة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أكثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعين، ۱:۶۷، رقم: ۴۴

فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ۔[1]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! (اِس کے بعد سابقہ الفاظِ حدیث ہیں)۔''

حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا، وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ، وَاللهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الْآنَ يَا عُمَرُ۔[2]

''ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں (تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ رب العزت کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اب (تمہارا ایمان کامل ہوا) ہے۔''

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الإِيْمَانِ، باب حُبّ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الإِيْمَانِ، ۱:۱۴، الرقم:۱۴

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الأَيْمَانِ وَ النُّذُوْرِ، باب كَيْفَ كَانَتْ يَمِيْنُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۶:۲۴۴۵، رقم:۶۲۵۷

محبتِ رسول ﷺ درحقیقت محبتِ الٰہی کی تابع ہے اور جو حضور علیہ السلام سے محبت کرتا ہے یہی محبت اسے باری تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔

محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ ایک ہی ہے

قرآن و حدیث میں بعض مقامات پر دونوں محبتوں کا یکجا بیان ہوا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ ایک ہے اور دیگر تمام محبت کے مراتب سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ایمان والوں کے دنیا میں آٹھ (۸) خصوصی تعلقات اور معاملات کا ذکر کرنے کے بعد محبتِ الٰہی، محبتِ رسول ﷺ اور اپنی راہ میں جدوجہد کو سب سے بڑھ کر قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝[۱]

’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۝‘‘

اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسولِ کریم ﷺ کی محبت، قربت اور

(۱) التوبة، ۹: ۲۴

اطاعت کے اعتبار سے افضل اور اَجل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: وَ مَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: لَا شَيءَ (وَ فِي رِوَايَةِ أَحْمَدَ: قَالَ: مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ عَمَلٍ، لَا صَلَاةٍ وَ لَا صِيَامٍ) إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ ﷺ. فَقَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ: فَمَا فَرِحْنَا بِشَيءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ: فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ ﷺ وَ أَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ أَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ وَ إِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ(۱)

''کسی آدمی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے پوچھا: تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب أبي حفص القرشي العدوي، ۳:۱۳۴۹، رقم: ۳۴۸۵

۲۔ أيضاً، كتاب الأدب، باب ما جاء في قول الرجل ويلك، ۵:۲۲۸۵، رقم: ۵۸۱۵

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب، ۴:۲۰۳۲، رقم: ۲۶۳۹

۴۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن المرء مع من أحب، ۴:۵۹۵، رقم: ۲۳۸۵۔ و قال أبو عيسى: هذا حديث صحيح

۵۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب إخبار الرجل الرجل بمحبته إياه، ۴:۳۳۳، رقم: ۵۱۲۷

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۰۴، ۱۶۸، ۱۷۸، رقم: ۱۲۰۳۲، ۱۲۷۳۸، ۱۲۸۴۶

عرض کیا: میرے پاس تو کوئی عمل نہیں۔ (امام احمد کی روایت میں ہے کہ اس نے عرض کیا: میں نے تو اس کے لئے بہت سے اعمال تیار نہیں کیے، نہ بہت سی نمازیں اور نہ بہت سے روزے) سوائے اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم (قیامت کے روز) اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں (تمام صحابہ کرام کو) کبھی کسی خبر سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی حضور ﷺ کے اس فرمان اقدس سے ہوئی کہ تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کرتا ہوں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں لہٰذا امید کرتا ہوں کہ ان کی محبت کے باعث میں بھی ان حضرات کے ساتھ ہی رہوں گا اگرچہ میرے اعمال ان کے اعمال جیسے نہ ہوں۔‘‘

محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ بندے کی شفاعت کرنے والی بھی ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں ایک شخص جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا، وہ نبی اکرم ﷺ کی ظرافتِ طبع کا باعث بنتا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے شراب پینے کے باعث مارا تھا، ایک دن اسے پھر (حالتِ نشہ میں) لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے مارنے کا حکم دیا پس اسے مارا گیا۔ موقع پر لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ یا اللہ جتنی مرتبہ اسے مارنے کے لئے لایا گیا تو اس سے زیادہ اس پر لعنت بھیج۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَلْعَنُوْهُ، فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحدود، باب ما یکره من لعن شارب الخمر، ۶: ۲۴۸۹، رقم: ۶۳۹۸

←

’’اسے لعنت نہ کرو، اللہ رب العزت کی قسم! میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت تمام انواع و اقسام کی محبت سے بلند ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام کے مندرجہ بالا فرمانِ مبارک سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ شرابی شخص ہے، اس کا عمل گھٹیا ترین ہے لیکن آپ ﷺ نے اس کے ہیچ ترین عمل کو اپنی اور اپنے رب کی محبت دل میں رکھنے کی بناء پر نظر انداز فرما دیا۔ اسی لئے کسی نے فرمایا تھا:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے

محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ اصلِ اعمال ہیں

قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تمام اعمال کی بنیاد ہے، اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے حتی کہ شیخ ابنِ تیمیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ وہ اپنی تصنیف ’’قاعدة فی المحبة (۱: ۴۹)‘‘ میں **الحب أصل کل عمل والتصدیق بالمحبة هو أصل الإیمان** (محبت دراصل ہر عمل کی اصل ہے اور محبت کے ساتھ تصدیق ہی اصلِ ایمان ہے) کے تحت لکھتے ہیں:

إذا کان الحب أصل کل عمل من حق و باطل، و هو أصل الأعمال الدینیة و غیرها، و أصل الأعمال الدینیة حب اللہ

.... ۲۔ بزار، المسند، ۱: ۳۹۳، رقم: ۲۶۹

۳۔ ابویعلی، المسند، ۱: ۱۶۱، رقم: ۱۷۶

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۱۲، ۹: ۱۰۳

ورسوله كما أن أصل الأقوال الدينية تصديق الله ورسوله

’’یہ طے شدہ امر ہے کہ ہر عمل خواہ حق ہو یا باطل کی اصل محبت ہے اور یہی محبت اعمالِ دینیہ وغیرھا کی بھی اصل ہے، اعمالِ دینیہ کی اصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے جس طرح کہ اقوالِ دینیہ کی اصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق ہے۔‘‘

درج بالا تمام بحث سے ثابت ہوا کہ واجباتِ محبت میں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ محترم ﷺ کی محبت کو اوّلیت حاصل ہے۔ باقی تمام محبتیں اور چاہتیں ان دونوں محبتوں کے تابع ہیں۔

(ج) محبتِ اہلِ بیت اَطہار و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا بھی واجباتِ دین میں سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ اُن سے وابستہ اُن کے اطاعت شعاروں، وفا شعاروں اور محبوں سے بھی محبت کی جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی کئی احادیثِ مبارکہ میں اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام سے محبت کی ترغیب اور حکم دیا ہے۔

۱۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ، إِنَّ قُرَيْشًا إِذَا لَقِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لَقُوْهُمْ بِبَشْرٍ حَسَنٍ، وَإِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَا بِوُجُوهٍ لَا نَعْرِفُهَا. قَالَ: فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ غَضَبًا شَدِيْدًا، وَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيْمَانُ حَتَّى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَ لِقَرَابَتِي۔(۱)

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۰۷، رقم: ۱۷۷۲، ۱۷۷۷، ۱۷۶۵۶، ۱۷۶۵۷، ۱۷۶۵۸

’’میں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! قریش جب آپس میں ملتے ہیں تو حسین مسکراتے چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے چہروں سے ملتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے (یعنی مسکان سے عاری چہروں کے ساتھ)۔ حضرت عباس فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ یہ سن کر شدید جلال میں آ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔‘‘

۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَأَهْلِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ، وَعِتْرَتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ عِتْرَتِهِ، وَذَاتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ ذَاتِهِ(۱)

’’کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہلِ بیت اسے اس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر

.... ۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۳۷۶، رقم: ۵۴۳۳، ۲۹۶۰

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۵۱، رقم: ۸۱۷۶

۴۔ بزار، المسند، ۶: ۱۳۱، رقم: ۲۱۷۵

۵۔ بیھقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۸۸، رقم: ۱۵۰۱

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷:۷۵، رقم: ۶۴۱۶

۲۔ أیضاً، المعجم الأوسط، ۶:۵۹، رقم: ۵۷۹۰

۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲:۱۸۹، رقم: ۱۵۰۵

محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔‘‘

۳۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے بارے میں فرمایا:

اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي، اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ. (۱)

’’میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ مت بنانا کیونکہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی عنقریب اللہ تعالیٰ اُسے پکڑے گا۔‘‘

(د) محبتِ اَولیاء و صالحین

اَحادیثِ مبارکہ سے امت مسلمہ کو اولیاء اللہ صالحین اور مقربین سے محبت کرنے کا بھی درس ملتا ہے۔ اللہ عزوجل خود اپنے اولیاء اور صالحین سے محبت کا اعلان کرتا ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ ہر ایک کو ان سے محبت کا حکم بھی دیتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فیمن سبّ أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵: ۶۹۶، رقم: ۳۸۶۲

إِذَا أَحَبَّ اللهُ العَبْدَ نَادَى جِبْرِيْلَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلاناً، فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيْلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَاناً، فَأَحِبُّوْهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ القَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ[۱]

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمانی مخلوق میں ندا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں (کے دلوں) میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔''

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ، كَيْفَ تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔[۲]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ۳: ۱۱۷۵، رقم: ۳۰۳۷ (امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الأدب، رقم: ۵۶۹۳ اور کتاب التوحید، رقم: ۷۰۴۷ میں بھی بیان کیا ہے۔)
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب إذا أحب اللہ عبدا حَبَّبَه إلی عباده، ۴: ۲۰۳۰، رقم: ۲۶۳۷

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب عَلَامَة الْحُبِّ فِي اللهِ عزوجل، ۵: ۲۲۸۳، رقم: ۵۸۱۷، ۵۸۱۸

''ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن (ان جیسے اعمال کر کے) ان سے ملا نہیں ہے؟ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (روزِ قیامت) آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ (دنیا میں) محبت رکھتا ہو گا۔''

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اہلِ بیتِ اطہار، صحابہ کرام اور اولیاء و صالحین رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا بھی دین کا لازمی حصہ ہے۔ ان سے محبت نہ کرنے کی صورت میں بھی ایمان کی کاملیت نصیب نہیں ہوتی، چاہے کوئی شخص کثرت سے دیگر اعمالِ صالحہ مثلاً نماز، روزے، حج، زکوٰۃ، تسبیحات اور جہاد کرتا پھرے۔

۲۔ محبتِ محمودہ

محبت کی دوسری قسم محمودہ ہے۔ یہ ایسی محبت ہے جس کے قابلِ تعریف ہونے پر شریعت سے دلائل میسر ہیں یا انسان کی طبیعت فطرتاً ان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اس کی درج ذیل قسمیں بنتی ہیں:

(ا) طبعی محبت

بعض اوقات انسان کی طبیعت میں کسی چیز کی رغبت و محبت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً

.........۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب، ۴: ۲۰۳۴، رقم: ۲۶۴۰

۳۔ ترمذی نے ''الجامع الصحیح (کتاب الزہد، باب ما جاء أن المرءَ مَعَ مَن أحبَّ، ۴: ۵۹۶، رقم: ۲۳۸۷)'' میں اِسے صحیح کہا ہے۔

۴۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۳۴۴، رقم: ۱۱۷۸

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۱۶، رقم: ۵۵۷

بھوکے کو کھانے کی محبت، پیاسے کے لئے پانی کی محبت، سخت گرمی میں بے سایہ کو سایہ کی محبت، تنگ و تاریک راہوں سے گزرتے پیدل مسافر کی سواری سے محبت وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔ اس میں تعظیم کا عنصر شامل نہیں ہوتا بلکہ انسانی طبیعت خود بخود ان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ یہ مباح محبت ہے۔

(۲) رحیمانہ اور تعظیمانہ محبت

بعض محبتیں رحمت، شفقت اور تعظیم پر مبنی ہوتی ہیں۔ مثلاً والدین کی اولاد سے، شیخ کی مرید سے اور استاد کی شاگرد سے محبت اسی طرح اولاد کی والدین سے، مرید کی شیخ سے اور شاگرد کی استاد سے محبت۔ قرآن و حدیث میں اس محبت پر نصوص ملتی ہیں۔

(۳) اُلفت اور اُنس بھری محبت

عام معاشرے میں انسانوں کے مابین باہم کئی ایسے تعلقات ہوتے ہیں جو الفت اور اُنس و پیار سے لبریز ہوتے ہیں۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی کاروبار، صنعت، تجارت، زراعت اور علم سے وابستہ افراد کی باہم محبت، مسافروں کی آپس میں محبت، بہن بھائیوں کی آپس میں محبت، اعزہ و اقارب کے درمیان محبت و الفت، میاں بیوی کے درمیان رشتۂ محبت اسی کی مثالیں ہیں۔ الفت و محبت کی یہ تمام اقسام قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ اس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ مخلوق کے درمیان غم و غصہ، بغض و عناد اور تعصب و عداوت کی فضا قائم ہونے کی بجائے باہم محبت کا ماحول پروان چڑھے تاکہ انہیں خالقِ کائنات کی رحمت اور برکت حاصل ہو۔

(۴) اَفعالِ صالحہ سے محبت

افعالِ صالحہ اور نیکی پر مبنی اعمال سے محبت کرنا بھی قابلِ تعریف اور لائقِ ستائش محبتوں میں شامل ہے۔ ہر وہ عمل، عمل صالح ہوتا ہے جو اللہ ﷻ اور اس کے حبیب حضور

نبی اکرم ﷺ کی رضا اور قربت کا باعث بنے جبکہ اس کے برعکس ہر وہ عمل، عمل سیئہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور غضب کا باعث بنے۔ چنانچہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حسنِ خلق سے پیش آنا، عدل و انصاف کرنا، سچ بولنا، امانت داری کا مظاہرہ کرنا، تقویٰ و طہارت پر کاربند رہنا وغیرہ تمام کے تمام اعمالِ صالحہ کی مختلف صورتیں ہیں جو رضائے الٰہی اور رضائے رسول ﷺ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس لئے تمام اعمالِ صالحہ سے محبت کرنی چاہیے اور محبت سے ادا کرنا چاہیئے۔

۳۔ محبتِ محرّمہ

جس طرح بنیادی طور پر محبت کی دو اقسام مثبت پہلو پر مبنی ہیں۔ اسی طرح محبت کی دو اقسام منفی پہلو پر مبنی ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک محبتِ محرمہ ہے۔

پہلی صورت

محبتِ محرّمہ کی پہلی صورت شرک پر مبنی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ذات یا شئے کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہوئے اس سے اللہ تعالیٰ جیسی محبت کی جائے۔ یہ اللہ کے ساتھ شرک فی الحب ہے۔ کسی سے اس عقیدہ کے ساتھ محبت کرنا سراسر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں کفار کے اس طرزِ عمل کو یوں بیان فرمایا ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ۔ (۱)

’’اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ’’اللہ سے محبت‘‘ جیسی محبت کرتے ہیں۔‘‘

اہلِ زمین میں سے اکثر مذاہب کے ماننے والے اپنے رہنماؤں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے بعد محبت اور تعظیم کے اسی وہمِ باطل میں مبتلا ہیں۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۶۵

دوسری صورت

محبتِ محرمہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ جن افعال اور اعمال سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے انسان ان اعمال کی محبت میں گرفتار ہو یا ایمان والوں کے اندر اِن افعال کو پھیلانے کی محبت کا۔ مثلاً بدکاری، شراب نوشی، چوری اور فحاشی و بے حیائی وغیرہ تو ایسی محبت کا شمار بھی محرّمہ میں ہوگا۔ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ایسے ہی برے لوگوں کے کردار کی یوں مذمت فرمائی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱)

’’بیشک جولوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ (ایسے لوگوں کے عزائم کو) جانتا ہے اورتم نہیں جانتے ۝‘‘

۴۔ محبتِ مذمومہ

وہ محبت جو انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے ذکر اور ان کی اطاعت وفرمان برداری سے غافل کر دے، مذمومہ ہے۔

پہلی صورت

محبتِ مذمومہ کی پہلی صورت یہ ہے کہ والدین، اولاد، مال و دولت، منصب، عیش وعشرت، کاروبار وتجارت اور کوٹھی بنگلہ جائداد سے ایسی محبت کی جائے جو انسان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور سید المرسلین ﷺ کے ذکر سے غافل کردیں۔ گویا انسان دنیا اور مافیہا کی محبت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بھول جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایمان والوں کو

(۱) النور، ۲۴: ۱۹

جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (۱)

’’اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد (کہیں) تمہیں اللہ کی یاد سے ہی غافل نہ کر دیں، اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں○‘‘

دوسری صورت

محبتِ مذمومہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان دنیا و مافیھا کے رشتوں اور دیگر امور کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات اور اُن کے واجب کردہ اعمال اور افعال پر ترجیح دے اور ان افعالِ واجبہ سے بڑھ کر دیگر امور سے محبت کرے۔ قرآن میں اللہ رب العزت نے آٹھ (۸) تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر ان کی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس کی راہ میں جہاد اور جدوجہد کرنے سے بڑھ گئیں تو:

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ○ (۲)

’’پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا○‘‘

لہٰذا ان دونوں راستوں میں سے صحیح راستہ یہی ہے کہ انسان دنیا و مافیھا کے رشتوں اور دیگر امور کو اللہ ﷻ اس کے رسول کریم ﷺ، عباداتِ الٰہیہ اور اعمالِ صالحہ پر ترجیح نہ دے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر محبوب جانے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے ہی صالح بندوں کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

---

(۱) المنافقون، ۶۳: ۹

(۲) التوبۃ، ۹: ۲۴

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُO(۱)

’’(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گیO‘‘

محبت اور عبادت میں فرق

گزشتہ کئی صفحات پر مشتمل اس بحث سے درج ذیل علمی اور اعتقادی نکات ثابت ہوئے:

۱۔ محبت کے مصداقات بہت ہیں، جیسے اللہ ﷻ، انبیاء کرام، اہلِ بیت اَطہار، صحابہ کرام، اولیاء و صالحین، والدین، اولاد، رشتہ دار، دوست احباب، اساتذہ، مشائخ، بہن بھائی، میاں بیوی، اعزہ و اقارب کی محبت …… جبکہ

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مخلوق میں سے کسی کے لئے بھی عبادت جائز نہیں۔

۲۔ خالق اور مخلوق کی محبت میں واضح فرق ہے۔ خالقِ کائنات ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی محبت کسی کے تابع نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے اللہ کی محبت بھی تنہا اور واحد ہے …… جبکہ

مخلوق کی محبت اللہ رب العزت کی محبت کے تابع ہے، بذات خود کوئی چیز نہیں۔

(۱) النور، ۲۴: ۳۷

www.MinhajBooks.com

۳۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے حبیب حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت ایک ہی ہے۔ ان میں فرق اور جدائی ہرگز روا نہیں۔ حضور ﷺ سے محبت کرنا اللہ کی محبت ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص رسول ﷺ کی عبادت کرے تو یہ شرک ہے اور اگر محبت کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

۴۔ قرآن و حدیث کی نصوص سے ثابت ہے کہ اہلِ بیت نبوی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء و صالحین سے محبت کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے اور محبتِ واجبات میں سے ہے۔

۵۔ باقی ذوات جن میں والدین، اولاد، رشتہ دار، دوست احباب، اساتذہ اور شیوخ شامل ہیں، سے محبت کرنا مسنون مستحب اور مباح کے درجہ میں ہے۔

۶۔ اللہ رب العزت کی محبت اور قربت حاصل کرنے کے لئے اعمالِ صالحہ سے محبت بجا لانا اور ان میں استقامت کا مظاہرہ کرنا بھی مسنون اور جائز ہے۔

۷۔ ہر وہ محبت انسان پر حرام ہے جو اللہ رب العزت کے کسی شریک کے ساتھ کی جائے یا کسی شریک کے لئے کسی کے ساتھ رب العالمین جیسی کی جائے۔

۸۔ اسی طرح اگر دنیا و ما فیہا کی محبت کو ذاتِ باری تعالیٰ، ذاتِ رسول ﷺ یا ان کے احکام پر ترجیح دی جائے تو ایسی محبت بھی مردود اور مذموم ہے۔

آئندہ صفحات میں اِن شاء اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم بالمحبت کو ان کے اَحوال کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

فصل دوم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعظیم بالمحبت کی مثالیں

www.MinhajBooks.com

توحید اور تعظیم بالمحبت عبادت اور شرک کا فرق واضح کرنے کے حوالے سے ایک انتہائی اہم موضوع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بے حد تعظیم کرنا اور آپ ﷺ کے ساتھ انتہا درجے کی محبت کا اظہار سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ اس کے باوجود اس عمل کو ہرگز عبادت کے درجے پر نہیں رکھا جا سکتا اور نہ یہ منافیٔ توحید ہے۔

ذاتِ رسول ﷺ کی تعظیم کے عملی مظاہر

عہدِ نبوی کی پوری اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار اور طرزِ عمل پر نگاہ دوڑائیے، اَدب و تعظیم اور محبتِ رسول ﷺ کی جو مثال انہوں نے علی التواتر ہر مقام اور ہر موقع پر قائم کی وہ قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ حدیبیہ کے مقام پر تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کا اجتماع ہو یا فتحِ مکہ اور دیگر مواقع پر ان کا جمِ غفیر، سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ سے لے کر عام صحابی تک ادب و توقیرِ رسول ﷺ کا عملی نمونہ پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی کسی سے اس امر میں پیچھے نہیں۔ سب آپ ﷺ کے احترام میں ایک دوسرے سے بڑھ کر دیدہ و دل فرشِ راہ کئے سراپا ادب بنے رہے۔ اس عمل میں اِن کا اِجماع قطعی تھا جس پر حضور نبی اکرم ﷺ کی خاموش رضامندی نے اسے سنت کا درجہ دے دیا تھا۔

ا۔ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر بے اِنتہا تعظیم کے مختلف مظاہر

ا۔ ٦ھ کو جب کفارِ مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تو اس وقت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان صلح نامہ طے پایا۔ اس موقع پر عروہ بن مسعود بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں کفار کا وکیل بن کر آیا۔ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور نبی

اکرم ﷺ کی بے حد تعظیم کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے محبت و ادبِ رسول ﷺ کے جو حیران کن مناظر دیکھے اور واپس جا کر اپنے ساتھیوں کے سامنے ان کی منظر کشی کی، ان تفصیلات کو حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان نے درج ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے:

إِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ يَرْمُقُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَيْنَيْهِ. قَالَ: فَوَ اللهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ، فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَ جِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَ إِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَ مَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ. فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ، وَاللهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ، وَ وَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَ كِسْرَى وَ النَّجَاشِيِّ، وَ اللهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا. وَاللهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ، فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَ إِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ.(۱)

''عروہ بن مسعود صحابہ کرام کو غور سے دیکھتا رہا۔ راوی کہتے ہیں: اللہ رب العزت کی قسم! جب بھی حضور نبی اکرم ﷺ اپنا لعاب مبارک پھینکتے تو کوئی نہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، ۲:۹۷۴، رقم: ۲۵۸۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۲۹

۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۰:۹، رقم: ۱۳

کوئی صحابی اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتا اور وہ اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا تھا۔ جب آپ ﷺ انہیں کسی بات کا حکم دیتے تو وہ اس حکم کی فوراً تعمیل میں لگ جاتے۔ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو وہ آپ ﷺ کے استعمال شدہ پانی کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے، جب آپ ﷺ گفتگو کرتے تو صحابہ ہمہ تن گوش ہو کر اپنی آوازوں کو پست کر لیتے تھے اور انتہائی تعظیم کے باعث آپ ﷺ کی طرف نظر جما کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا اور ان سے کہنے لگا: اے قوم! خدا کی قسم! میں (بڑے بڑے) بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی اس طرح دل سے تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد (ﷺ) کے اصحاب ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب وہ اپنا لعاب پھینکتے تو کوئی نہ کوئی صحابی اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتا اور وہ اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا تھا، جب وہ انہیں کسی بات کا حکم دیتا تو وہ اس حکم کی فوراً تعمیل میں لگ جاتے، جب وہ وضو فرماتے تو وہ ان کے استعمال شدہ پانی کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے، جب وہ گفتگو کرتے تو صحابہ ہمہ تن گوش ہو کر اپنی آوازوں کو پست کر لیتے تھے اور انتہائی تعظیم کے باعث وہ ان کی طرف نظر جما کر بھی نہیں دیکھتے۔''

عروہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بے پناہ اور غیر مشروط محبت کے مظاہر دیکھ کر کہا:

وَلَقَدْ رَأَيْتُ قَوْمًا لَا يُسَلِّمُوْنَهُ لِشَيْءٍ أَبَدًا۔(۱)

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۲۴

’’میں نے ایسی قوم کو دیکھا ہے جو کبھی بھی انہیں تمہارے سپرد نہ کرے گی۔‘‘

تعظیم و توقیرِ نبی ﷺ اور توحیدِ باری تعالیٰ

اس باب میں دو امور ایسے ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے:

اوّل اس بات کا عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں اپنی تمام مخلوق سے منفرد اور یکتا و یگانہ ہے۔ جو شخص ذات و صفات و افعالِ باری تعالیٰ میں سے کسی میں بھی باری تعالیٰ کے ساتھ اس جیسا مخلوق کی مشارکت کا عقیدہ رکھے گا تو وہ بالتحقیق مشرک ہو جائے گا جیسا کہ مشرکینِ مکہ بتوں کے ساتھ اُلوہیت کا اِعتقاد رکھتے تھے اور انہیں مستحقِ عبادت سمجھتے تھے۔

دوم یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم واجب ہے اور آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ باقی تمام مخلوق سے اونچا ہے۔ جو شخص بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کے بارے میں کچھ بھی تقصیر و کمی کرے گا وہ شخص گنہگار ہو گا یا پھر بعض صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو شخص تمام انواعِ تعظیم سے بڑھ کر حضور ﷺ کی تعظیم کرے اور صفاتِ ربوبیت میں سے کسی کے ساتھ بھی آپ ﷺ کو متصف نہ کرے تو وہ شخص حق کو پانے والا ہے اور دونوں پہلوؤں (توحید و رسالت) کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اس قول میں کوئی افراط و تفریط نہیں۔

یاد رکھیں کہ جب اہلِ ایمان موحّدین کے کلام میں کسی چیز کی نسبت غیر اللہ کی طرف پائی جائے تو اس کو مجازِ عقلی پر محمول کرنا واجب ہے اور مؤمنین پر کفر کا فتویٰ اور حکم لگانے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ قرآن و سنت میں مجازِ عقلی مستعمل ہے جیسا کہ ہم کتاب التوحید کی جلد اوّل میں یہ امر بصراحت بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ دورانِ نماز اِنتہاء درجہ کی محبت و تعظیمِ رسول ﷺ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کی جس طرح تعظیم بجا لاتے تھے اس پر وہ واقعہ شاہد ہے جو آپ ﷺ کی علالت کے آخری ایام میں صحابہ کو اس وقت پیش آیا جب وہ حالتِ نماز میں تھے۔ علالت کے ان ایام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باجماعت نماز کی امامت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ تمام صحابہ صف بستہ نماز میں مشغول تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر مسجد میں تشریف لے آئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْإِثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ سِتْرَ الْحُجْرَةِ، يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ، كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَنَكَصَ أَبُوبَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَ ظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَارِجٌ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ: أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ. وَ أَرْخَى السِّتْرَ، فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کے مرض الموت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالإِمَامَةِ، ۱:۲۴۰، رقم: ۶۴۸۔ (اس روایت کو امام بخاری نے کتاب الأذان، رقم: ۷۲۱، کتاب التهجد، رقم: ۱۱۴۷ اور کتاب المغازی، رقم: ۴۱۸۳ میں بھی بیان کیا ہے۔)

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر وغيرهما من يصلی بالناس، ۱:۳۱۶، رقم: ۴۱۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۶۳، ۱۹۶۔۱۹۷، ۲۱۱

پڑھاتے تھے، چنانچہ پیر کے روز لوگ صفیں بنائے نماز ادا کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے کھڑے ہم کو دیکھنے لگے۔ اس وقت حضور ﷺ کا چہرۂ انور قرآن کے اوراق کی طرح روشن معلوم ہوتا تھا پھر آپ ﷺ (جماعت کو دیکھ کر) مسکرانے لگے۔ آپ ﷺ کے دیدار پُرانوار کی خوشی میں قریب تھا کہ ہم نماز توڑ دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ نماز میں تشریف لا رہے ہیں، اس لئے انہوں نے ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ کر مقتدیوں میں مل جانا چاہا، لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ نماز پوری کرو، پھر آپ ﷺ نے پردہ گرا دیا اور اسی روز آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔''

حدیثِ مبارکہ سے تین حُبی اور اِعتقادی اِستدلال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محبت بھرے جذبات کے باعث درج ذیل علمی نوعیت کے تین اہم حبّی اور اعتقادی استدلال ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حدیث کے کلمات وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ (وہ صفوں میں بحالتِ نماز کھڑے تھے) قابلِ غور ہیں۔ اگر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے وَهُمْ صُفُوفٌ لِلصَّلَاةِ فرمایا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کی تیاری میں تھے۔ ابھی انہوں نے نماز شروع نہیں کی تھی لیکن روایت کے الفاظ صاف کہہ رہے ہیں کہ وہ نماز میں مشغول ہو گئے تھے، ان کی نماز شروع ہو چکی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مطابق جب حضور نبی اکرم ﷺ حجرہ کے دروازے سے باہر آئے تو صحابہ کرام آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے آپ کے چہرہ مبارک کو ''قرآن کے اوراق کی طرح چمکتا ہوا دیکھا'' آپ کے رخِ مبارک پر ایک دل نواز تبسم تھا۔ اس کیفیت میں ہم اتنے محو ہو گئے، آپ کے جمالِ فرحت افزاء نے ہمیں اس قدر

بے خود کر دیا، قریب تھا کہ ہم اپنی نمازیں توڑ بیٹھتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ صحابہ کے مسرت و انبساط کا یہ عالم تھا کہ انہیں اپنی نمازیں بھول گئیں۔ وہ آپ ﷺ کی زیارت میں اس قدر کھو گئے کہ قریب تھا کہ حالتِ نماز سے باہر آ جاتے۔

۲۔ یہ تو مقتدیوں کا حال تھا جن کے امام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے ان کا حال یہ تھا کہ جب انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو یہ سوچ کر کہ آپ ﷺ نماز میں شریک ہونے کے لئے تشریف لے آئے ہیں مصلّٰی امامت چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہونے لگے۔ حضور نبی اکرم ﷺ شوق و اضطراب کا یہ منظر ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی نظر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر پڑی جو پیچھے پہلی صف میں آ رہے تھے تو اشارے سے انہیں نماز مکمل کرنے کا حکم دیا اور پردہ گرا کر حجرۂ مبارک میں واپس تشریف لے گئے۔

۳۔ تیسرا قابلِ ذکر استدلال حضور نبی اکرم ﷺ کا نماز مکمل کرنے کا اشارہ ہے کہ: أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ (اپنی نماز مکمل کرو)۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز شروع نہ کی ہوتی تھی تو آپ ﷺ کو تکمیلِ صلاۃ کا اشارہ دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ آپ ﷺ انہیں نماز شروع کرنے کا حکم دیتے۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابہ پہلے ہی حالتِ نماز میں تھے بلکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ پہلی رکعت ادا کرنے کے بعد دوسری رکعت میں ہوں گے جب حضور ﷺ پردہ اٹھا کر مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے اور اپنے ساتھ اُن کا اتنا گہرا قلبی، حسّی اور عشقی منظر دیکھ کر انہیں اپنی نماز مکمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعظیمِ نبی ﷺ میں عبادتِ الٰہی سے توجہ ہٹا لی

اِس واقعہ سے یہ سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعظیمِ رسول ﷺ پر مبنی یہ عمل کیا محض ادب و احترام تھا یا ادب و احترام کا آخری نقطہ اور آخری حد؟ یہ بات

ظاہر ہے کہ اسے محض احترام یا ادب نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اس سے بہت آگے کا عمل ہے۔ تاہم یہ بات مسلمہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بدرجۂ اتم عمل نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی سنت بن گیا اور خود سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر گرفت نہ کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے منع نہ فرمایا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا اور انہیں اپنی نمازیں توڑنے سے روکتے ہوئے نماز مکمل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس سے یہ نکتہ مترشح ہوتا ہے کہ دورانِ نماز تعظیمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس مظاہرے سے نہ تو صحابہ کی نماز ٹوٹی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عبادت میں بھی کوئی خلل واقع ہوا۔ یہ وہی صحابہ تھے جن کی یکسوئی مثالی تھی۔ باوجود اس کے کہ وہ مسجدِ نبوی میں حالتِ نماز میں قبلہ رو کھڑے تھے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک کے جس دروازے پر کھڑے اپنے غلاموں کو دیکھ رہے تھے وہ انتہائی مشرق کی جانب ہے اور بحالتِ نماز ان کا رخ کعبہ کی طرف تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حال میں انہوں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبسم چہرے کو جو کھلے ہوئے قرآن کی مانند تھا کیسے دیکھ لیا؟ یہ عمل سوائے نماز سے توجہ ہٹانے اور اپنا رخ کعبہ سے حجرے کی طرف موڑنے کے ممکن نہ تھا۔ وہ سب رخِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت میں اتنے محو ہوئے کہ قریب تھا ان کی نمازیں ٹوٹ جاتیں۔

ایک اور مقام پر امام بخاری نے اسی حدیث کو نقل کرتے ہوئے ان پُر کیف لمحات کی منظر کشی اس طرح کی ہے:

فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِيْنَ وَضَحَ لَنَا۔(۱)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أَهْل الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالإِمَامَةِ، ۱:۲۴۱، رقم:۶۴۹

’’جب (پردہ ہٹا اور) آپ ﷺ کا چہرۂ انور سامنے آیا تو حضور نبی اکرم ﷺ کے روئے مبارک کے سامنے آنے کا یہ منظر اتنا حسین اور دلکش تھا کہ ہم نے پہلے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔‘‘

(۱) امام بخاریؒ کا عقیدہ

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں چار بار اس حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے حد درجہ ادب و احترام پر مبنی عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔ تفصیلات بیان ہو چکی ہے۔

(۲) اِمام مسلمؒ کا عقیدہ

حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم کے حوالے سے امام مسلم کا عقیدہ بھی امام بخاری کی طرح ہی ہے۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس حدیث کو یہاں تک بیان کیا ہے کہ صحابہ کہتے ہیں جب ہماری آنکھوں نے اچانک کئی دنوں کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے سامنے پایا تو ہم جذباتِ فرحت سے مبہوت ہو گئے۔ مسلم شریف کی روایت میں ’’فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ‘‘ کی جگہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

فَبُهِتْنَا وَنَحْنُ فِي الصَّلَاةِ مِنْ فَرَحٍ بِخُرُوْجِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔ (۱)

’’ہم دورانِ نماز آپ ﷺ کے باہر تشریف لانے کی خوشی میں حیرت زدہ ہو گئے (یعنی نماز کی طرف توجہ نہ رہی)۔‘‘

یہ وہی حالت تھی جو علامہ اقبال نے حالتِ نماز میں حضور ﷺ کے عاشقِ زار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حوالے سے دیدارِ محبوب ﷺ کے منظر کی خوبصورت تصویر کشی اس شعر میں کی ہے:

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصّلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر، ۱:۳۱۵، رقم: ۴۱۹

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری[1]

خلاصۂ بحث

یہ وہ غیر معمولی اور فقید المثال واقعہ ہے جس پر ہر محدّث، عالم اور مفسر نے لکھا ہے اس لئے کہ یہ دورانِ نماز پیش آیا تھا اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد و یکتا اور ان کے لئے ناقابلِ یقین تھا۔ صحابہ نے نماز کی حالت میں اپنے چہرے حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف پھیر لئے تھے اور آپ ﷺ کو دیکھ کر وہ اتنے مسرور ہوئے کہ نوبت نمازیں توڑنے تک آ پہنچی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس عمل کے بارے میں دیگر محدّثین کا استدلال یہ ہے کہ ان کی وارفتگی کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے زبان سے کوئی لفظ نہ فرمایا، صرف ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنی نماز مکمل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ ﷺ کا زبان مبارک سے کچھ نہ کہنا اور صرف اشارے پر اکتفا کرنا اس کا مظہر ہے کہ حضور ﷺ نے یہ سارا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے پردہ گرادیا تاکہ وہ اپنی بقیہ نماز مکمل کر لیں۔ اس طرح آپ ﷺ کے واپس جانے کے بعد انہوں نے اپنی نماز مکمل کر لی۔

ہر محدّث اور شارح نے اس مقام پر اپنا اپنا استدلال پیش کیا ہے لیکن ان سب نے ایک ہی تصور اجاگر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم حد سے بڑھ کر کرتے تھے اور ان کا ہر عمل اس سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ اس حوالے سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر اور مسالک کے تمام علماء اس بیان پر متفق ہیں کہ اس واقعہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے صحابہ کی بے حد تعظیم کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ تعظیمِ نبی ﷺ میں کعبہ سے توجہ ہٹانا، ناقضِ صلوٰۃ نہیں

ایک اور محبت و تعظیمِ رسول ﷺ سے معمور واقعہ کو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے

(۱) اقبال، بانگِ درا: ۹۱

روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، فَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى أَبُوبَكْرٍ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ، فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ، وَكَانَ أَبُوبَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ، الْتَفَتَ، فَرَأَى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ. فَرَفَعَ أَبُوبَكْرٍ رضی الله عنه يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُوبَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ. قَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ؟ فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ، مَنْ رَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ[1]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب من دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فجاء الإمام الأول فَتَأَخَّرَ الْأَوّلُ أو لَمْ يَتَأَخَّرُ جازت صلاته، ۱: ۲۴۲، رقم: ۶۵۲ (اس روایت کو امام بخاری نے رقم: ۱۱۴۳، ۱۱۴۶، ۱۱۶۰، ۱۱۷۷، ۲۵۴۴، ۲۵۴۷ اور ۶۷۶۷ کے تحت بھی بیان کیا ہے۔)

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلى بهم إذا تأخر الإمام، ۱:۳۱۶، رقم: ۴۲۱

۳۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب التصفيق فى الصلاة، ۱:۲۴۷، رقم: ۹۴۰

’’ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے تو اس دوران نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن نے ابوبکر صدیق سے کہا: کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں گے تاکہ میں اقامت کہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! چنانچہ ابوبکر نے لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کر دی۔ دورانِ نماز حضور نبی اکرم ﷺ بھی تشریف لے آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے صف اوّل میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ (حضرت ابو بکر کو متوجہ کرنے کے لیے) لوگوں نے تالیاں بجائیں، ابوبکر نماز میں کسی اور جانب متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ جب لوگوں نے زیادہ تالیاں بجائیں تو ابوبکر نے پیچھے مڑ کر حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا (اور پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا)، پس حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنی جگہ پر قائم رہنے کا اشارہ فرمایا۔ سو ابوبکر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں امامت کا حکم دیا ہے۔ پھر ابوبکر پیچھے ہٹ کر صفِ اوّل کے برابر آ گئے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے آگے بڑھ کر امامت کرائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: اے ابوبکر! جب میں نے حکم دیا تھا تو تم مصلیٰ پر کیوں نہیں ٹھہرے رہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے امامت کرے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اس کی کیا وجہ ہے کہ میں نے تمہیں تالیاں بجاتے دیکھا؟ اگر کسی کو نماز میں کوئی حادثہ پیش آئے تو (بلند آواز سے) سبحان اللہ کہے، چنانچہ جب وہ سبحان اللہ کہے تو دوسرے کو اس کی طرف دھیان دینا چاہیے، اور نماز

۴۔ نسائی، السنن، کتاب آداب القضاة، باب مصیر الحاکم إلی رعیته للصلح بینهم، ۸: ۲۴۳، رقم: ۵۴۱۳

۵۔ مالك، الموطأ، کتاب قصر الصلاة فی السفر، باب الالتفات والتصفیق عند الحاجة فی الصلاة، ۱: ۱۶۳، رقم: ۶۱

میں تالیاں بجانا (یعنی ہاتھ پر ہاتھ مارنا) تو صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ نکتہ مستنبط ہوتا ہے کہ حالتِ نماز میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہونا ناقصِ صلوٰۃ نہیں۔ جب حضور ﷺ کی آمد ہوئی تو لوگ نماز میں مشغول تھے، آپ ﷺ نمازیوں کی صفوں میں سے گزر کر پہلی صف میں پہنچ گئے۔ صحابہ نے آپ ﷺ کے لئے جگہ چھوڑ دی اور تالیاں بجانے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حالتِ نماز میں اس قدر مستغرق و منہمک تھے کہ انہوں نے اپنے دائیں بائیں نہ دیکھا اور بدستور نماز میں محو رہے۔ صحابہ کی بکثرت تالیوں کے باعث وہ سمجھ گئے کہ یقیناً حضور ﷺ شریکِ نماز ہونے کے لئے تشریف لے آئے ہیں پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز کی امامت کے دوران آپ کو دیکھ لیا۔

حدیث کے الفاظ ’’فَرَأَی رَسُولَ اللهِ ﷺ‘‘ سے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام مصلٰی پر تھا تو اس نے امامت کراتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کو پہلی صف میں قیام فرما کیسے دیکھ لیا؟ حدیث کے الفاظ ہیں کہ اِلْتَفَتَ یعنی مصلٰیٔ اِمامت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ موڑ لیا مگر اُن کی نماز نہ ٹوٹی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر حضور ﷺ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کیا کر دیا؟ تمہاری تو نماز ہی ٹوٹ گئی ہے۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ کعبہ سامنے تھا اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پچھلی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کی توجیہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ بشمولِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صحابہ کا عقیدہ تھا کہ کعبہ ایک طرف ہے تو کعبے کا کعبہ دوسری طرف ہے جس کی طرف متوجہ ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں بلکہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ بقول ریاض الدین سہروردیؒ

جس طرف وہ نظر نہیں آتے
ہم وہ رستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں

کعبہ بنتا ہے اُس طرف ہی ریاضؔ
رُخ جدھر کو وہ موڑ دیتے ہیں

ایمان اَفروز نکتہ

اسلامی فقہ کی رو سے اگر کوئی کسی کو دورانِ نماز اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہے اور نمازی جواب میں وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ کہے تو نماز ٹوٹ جائے گی یعنی سلام کہنا اور اس کا جواب دینا دونوں ناقضِ نماز ہیں۔ کہنے والے اور جواب دینے والے دونوں کی نماز ٹوٹ جاتی ہے لیکن جب ہم دورانِ تشہد التحیات کے لئے بیٹھتے ہیں تو حضور نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہتے ہیں یعنی اے نبی محترم آپ پر سلام ہو، اس سے نہ صرف یہ کہ نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر یہ نہ کہیں تو نماز نہیں ہوتی جبکہ کسی اور کو حالتِ نماز میں سلام کہنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے کہ آپ دورانِ نماز اپنے نبی پر سلام بھیجیں اور اس حکم کی تعمیل سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر دورانِ نماز حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حالتِ نماز میں سمتِ کعبہ سے منہ پھیر کر حضور ﷺ کی جانب متوجہ ہونے سے نماز ٹوٹ جائے۔ یہ بات صحابہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ یہ عمل نماز کا حصہ ہے اور نماز اس سے کامل ہوتی ہے۔

لہٰذا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اللہ کا شکر بجا لاتے ہوئے پہلی صف میں آ گئے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے مصلے پر آ کر نماز مکمل کرائی۔ یہ نکتہ اہم ہے کہ نماز کا نہ تو اعادہ کیا گیا اور نہ اس کو از سرِ نو شروع کیا گیا ہر چیز جوں کی توں رہی اور نماز کو بدستور جاری رکھا گیا۔

یہاں تاجدارِ کائنات ﷺ نے فقہی حوالے سے امت کو یہ تعلیم بھی دیدی کہ اگر آئندہ ایسی کوئی صورتحال پیش ہو تو نمازیوں کو تالیاں بجانے کی بجائے سبحان اللہ کہنا چاہئے اور اگر عورتوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہو تو وہ تالیاں بجا کر امام کو متوجہ کریں۔ اس طرح آپ ﷺ نے فقہ کا ایک ضابطہ بھی عطا کر دیا۔

۴۔ حضور ﷺ کو اپنی جان سے عزیز جاننا تکمیلِ ایمان کی سند

حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا، وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ، وَاللهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْآنَ يَا عُمَرُ۔(۱)

’’ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ نے عمر بن خطاب کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں (تم اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتے)۔ حضرت عمر نے عرض کیا: اللہ رب العزت کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! اب (تمہارا ایمان کامل ہوا) ہے۔‘‘

۵۔ حضور ﷺ کے بغیر طوافِ کعبہ بھی گوارا نہیں

حضرت موسیٰ بن عقبہ سے طویل واقعہ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو (صلح حدیبیہ کے موقع پر) کفار کی طرف (سفیر بنا کر) روانہ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأَيْمَانِ وَ النُّذُوْرِ، باب كَيْفَ كَانَتْ يَمِيْنُ النَّبِيِّ ﷺ، ۶: ۲۴۴۵، رقم: ۶۲۵۷

کیا (کفار سے مذاکرات کے بعد) انہوں نے آپ کو طوافِ کعبہ کی دعوت دی تو آپ نے فوراً انکار کر دیا اور کہا:

مَا كُنْتُ لِأَطُوْفَ بِهِ حَتَّى يَطُوْفَ بِهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ۔(۱)

’’اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ اس کا طواف نہیں کر لیتے۔‘‘

یہی مشہور واقعہ بیعتِ رضوان کا سبب بنا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اور اعتماد اپنی جگہ، لیکن حضرت عثمان چونکہ رمزِ ایمان اور روحِ دین سے آگاہ تھے اس لئے فرمایا کہ طوافِ کعبہ وہی مقبول اور عبادت کے زمرے میں آئے گا جس میں حضور ﷺ کی اطاعت و محبت بھی شامل ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس محبت کا ثمر اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اس بیعتِ رضوان کے واقعہ کو قرآن کا موضوع بنایا۔ جس طرح حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا اسی طرح اللہ رب العزت نے بھی آپ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ ارشادِ ربانی ہے ’’**يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ**‘‘ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔

۶۔ اِطاعتِ علی رضی اللہ عنہ اور معجزۂ ردّ شمس

حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُوحَى إِلَيْهِ وَ رَأْسُهُ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ، فَلَمْ يُصَلِّ الْعَصْرَ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ إِنَّ عَلِيًّا كَانَ فِي طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُولِكَ فَارْدُدْ عَلَيْهِ الشَّمْسَ. قَالَتْ

---

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۹:۲۲۱

أَسْمَاءُ: فَرَأَيْتُهَا غَرَبَتْ وَ رَأَيْتُهَا طَلَعَتْ بَعْدَ مَا غَرَبَتْ.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ ﷺ کا سرِ اقدس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا لہٰذا اس پر سورج واپس لوٹا دے۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں: میں نے اسے غروب ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور اسی کو دیکھا کہ وہ غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔‘‘

اس مشہور روایت میں ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لانے کا معجزہ ذکر ہوا لیکن حقیقت میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبتِ مصطفیٰ ﷺ کا اِمتحان تھا۔ ایک طرف توحید و رسالت کے بعد ارکانِ اسلام اور اعمال میں سب سے افضل عمل نماز کو رکھا اور دوسری طرف محبت و غلامیٔ رسول ﷺ رکھی تاکہ دیکھیں کہ علی رضی اللہ عنہ کدھر جاتے ہیں۔ پھر وہی ہوا جس کی مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے توقع تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نماز تو قضاء ہوگئی لیکن آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے آرام میں خلل واقع نہ ہونے دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو خدا کی اطاعت قرار دیا۔ حالانکہ حضرت علی خدمت تو حضور ﷺ کی کر رہے تھے، ان کی گود میں حضور ﷺ کا سرِ انور تھا، پھر بھی حضور ﷺ نے اسے اللہ کی اطاعت ہی گردانا۔ دراصل حضور ﷺ کا اس سے اپنی امت کو یہ پیغام دینا مطلوب تھا کہ میرے امتیو! میری فرمانبرداری و محبت میں زندگی گزارنے کو معمولی ہرگز نہ سمجھنا یہ نماز جیسے عمل سے بھی برتر اور اعلیٰ ہے کیونکہ میری محبت و غلامی میں براہِ راست ذاتِ لاشریک کی محبت و بندگی پوشیدہ ہے۔

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۴: ۱۵۰، ۱۵۱، رقم: ۳۹۰
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۲۹۷
۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ۶: ۸۳

۷۔ معیارِ نجات محض اَعمال نہیں

۱۔ حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَ وَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.(۱)

’’تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اُس کے والد (یعنی والدین)، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔‘‘

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی صحیح البخاری کی دوسری روایت (رقم: ۱۴) میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! (اِس کے بعد سابقہ الفاظِ حدیث ہیں)۔‘‘

۲۔ حضرت انس بن مالک ﷺ ہی ایک اور حدیث بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: مَتَى السَّاعَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ، وَلَكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ، قَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب حُبّ الرَّسُوْلِ ﷺ مِنَ الإِیْمَانِ، ۱: ۱۴، رقم: ۱۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب وجوب محبّة رسول اللہ ﷺ أکثر من الأھل والولد والوالد والناس أجمعین، ۱: ۶۷، رقم: ۴۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب علامَةِ حُبِّ اللهِ ﷻ لقولِهِ: إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ، ۵: ۲۲۸۵، رقم: ۵۸۱۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحبَّ ۴: ۲۰۳۲-۲۰۳۳، رقم: ۲۶۳۹

www.MinhajBooks.com

’’ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا: میں نے اس کیلئے زیادہ نمازیں، روزے، اور صدقہ وغیرہ (اعمال) کی تیاری تو نہیں کی لیکن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم جس سے محبت رکھتے ہو اسی کے ساتھ ہو گے۔‘‘

۳۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ! الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَعْمَلَ كَعَمَلِهِمْ. قَالَ: أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ: فَإِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ. قَالَ: فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. (قَالَ: فَأَعَادَهَا أَبُوْ ذَرٍّ فَأَعَادَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ)۔(۱)

’’یا رسول اللہ! ایک آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل نہیں کر سکتا (اس کا معاملہ کیسا ہوگا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔ انہوں نے پھر عرض کیا: میں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! تو یقیناً اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔ (راوی کا بیان ہے کہ

.... ۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء أن المرء مع من أحب، ۴:۵۹۵، رقم: ۲۳۸۵

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب إخبار الرجل الرجل بمحبته إياه، ۴:۳۳۳، رقم: ۵۱۲۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۱۵۶

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۲:۳۱۵، رقم: ۵۵۶

۴۔ دارمی، المسند، ۲:۴۱۴، رقم: ۲۷۸۷

۵۔ بزار، المسند، ۹:۳۷۳، رقم: ۳۹۵

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دوسری مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی کلمات دہرائے)۔''

خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال و واقعات پر مشتمل درج بالا احادیثِ مبارکہ سے صرف اور صرف ایک ہی ایمان افروز درس ملتا ہے کہ تن، من اور دھن سے بڑھ کر حبیبِ خدا سے محبت کرنا تمام اعمال پر فوقیت رکھتا ہے۔ اپنی جان کا معاملہ ہو، طوافِ کعبہ کرنے کو دل مچلتا ہو، نماز کی شکل میں رب سے کلام کرنے کو جی چاہ رہا ہو، والدین، اولاد اور دوست احباب سے محبت و شفقت کا معاملہ ہو، کیسی بھی صورت ہو مؤمن کو فقط ایک ہی تربیت دی جا رہی ہے کہ ان اعمالِ صالحہ کے کرنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی ایمان اور اسلام کی روح، جڑ اور اصل نہ سمجھنا، ان کی اصل ایک ہی ذات ہے اور وہ ہے محبوبِ رب العالمین، رحمۃ للعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلقِ محبت۔ اگر نامۂ اعمال میں کثرتِ صلاۃ، صوم اور صدقہ نہ بھی ہوئے اور صرف اسی ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت ہوئی تو اعمال پر ناز کرنے والے سب ایک طرف رہ جائیں گے جبکہ اپنے دل کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فروزاں رکھنے والا معیت و قربت پالے گا۔ جس کو بروزِ محشر معیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مل گئی اسی کی جھولی میں خالقِ کائنات کی سب نعمتیں ہوں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب اَشیاء کی تعظیم

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِسمِ مبارک کی تعظیم

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سعد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ان کا پاؤں سُن ہو گیا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن آپ کے پاؤں کو کیا ہوگیا ہے؟ انہوں نے کہا: پٹھے اکڑا گئے ہیں۔

اس پر میں نے عرض کیا:

اُدع أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ. قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَانْبَسَطَتْ ۔(۱)

’’جو ہستی آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اُس کا نام لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آقا علیہ السلام کو بلند آواز سے پکارا: **يَا مُحَمَّدُ**! (یا محمد، صلی اللہ علیک وسلم!) دوسرے ہی لمحے ان کا پاؤں ٹھیک ہو چکا تھا۔‘‘

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

يُوْقَفُ عَبْدَانِ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ عزوجل، فَيَقُوْلُ اللهُ لَهُمَا: اُدْخُلَا الْجَنَّةَ، فَإِنِّي آلَيْتُ عَلَى نَفْسِي أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ مَنِ اسْمُهُ مُحَمَّدٌ وَ لَا أَحْمَدُ۔(۲)

’’دو آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے (جن میں ایک کا نام احمد دوسرے کا محمد ہوگا) تو اللہ تعالیٰ اُنہیں فرمائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میں

---

(۱) ۱۔ ابن جعد، المسند، ۱: ۳۶۹، رقم: ۲۵۳۹
۲۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۵، رقم: ۹۶۴
۳۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۱۸
۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۴: ۱۵۴
۵۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق، ۳۱: ۱۷۷
۶۔ نووی، الأذکار، ۱: ۲۰۰، رقم: ۷۸۷
۷۔ ابن تیمیة، الکلم الطیب، ۱: ۱۷۳، رقم: ۲۳۶

(۲) ۱۔ حلبی، السیرة الحلبیة، ۱: ۱۳۵
۲۔ مناوی نے ’فیض القدیر (۵: ۴۵۳)‘ میں کہا ہے کہ اِسے ابنِ سعد نے ’الطبقات الکبری‘ میں بیان کیا ہے۔
۳۔ شعرانی نے ’کشف الغمة (۱: ۲۸۳)‘ میں کہا ہے کہ اسے محمد بن حنفیة نے روایت کیا ہے۔

www.MinhajBooks.com

نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کا نام 'محمد' یا 'احمد' ہو۔''

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمَّيْتُمْ مُحَمَّدًا فَلَا تَضْرِبُوْهُ وَ لَا تُقَبِّحُوْهُ، وَ أَكْرِمُوْهُ وَ أَوْسِعُوا لَهُ فِي الْمَجْلِسِ۔(۱)

''جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو اور نہ ہی اس کو برا سمجھو (بلکہ) اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لیے جگہ بناؤ۔''

۴۔ حضرت ابو اُمامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا تَبَرُّكًا بِهِ، كَانَ هُوَ وَ مَوْلُوْدُهُ فِی الْجَنَّةِ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ شعرانی، کشف الغمۃ، ۱: ۲۸۳

۲۔ مناوی، فیض القدیر، ۱: ۳۸۵

۳۔ عجلونی، کشف الخفاء و مزیل الإلباس، ۱: ۹۴، رقم: ۲۳۹

۴۔ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۱: ۱۳۵

(۲) ۱۔ عجلونی نے ''کشف الخفاء ومزیل الإلباس (۲: ۳۷۵، رقم: ۲۴۴)'' میں کہا ہے کہ اِسے ابن عساکر نے حضرت ابو امامہ باہلی سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ سیوطی نے کہا ہے کہ یہ اِس باب میں وارد ہونے والی بہترین حدیث ہے اور اِس کی اِسناد حسن ہے۔

۲۔ مناوی، فیض القدیر، ۶: ۲۳۷

۳۔ ابن قیم، المنار المنیف: ۶۱

''جس نے میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے اپنے بچے کا نام محمد رکھا تو وہ اور اس کا بیٹا دونوں جنت میں داخل ہوں گے۔''

۵۔ علامہ قزوینی نے ''التدوین فی إخبار قزوین (۲: ۳۴۳)'' میں حضرت ابواُسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُوْدٌ، فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا حُبًّا لِي وَتَبَرُّكًا بِاسْمِي هُوَ وَمَوْلُوْدٌ فِي الْجَنَّةِ۔(۱)

''جس نے میری محبت کے باعث اور میرے اسم سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے اپنے پیدا ہونے والے بچے کا نام محمد رکھا تو وہ اور بچہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے۔''

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک کی تعظیم

۱۔ کتبِ احادیث و سیر میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک روایت ہے:

مَا ذَكَرَ ابْنُ عُمَرَ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِلَّا بَكَى، وَ لَا مَرَّ عَلَى رَبْعِهِمْ إِلَّا غَمَّضَ عَيْنَيْهِ.(۲)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے

(۱) ۱۔ إسماعیل حقی، روح البیان، ۷: ۱۸۴
۲۔ حلبی نے ''السیرة الحلبیة (۱: ۳۵)'' میں کہا ہے کہ حفاظِ حدیث نے اِس روایت کی صحت کا اِقرار کیا ہے۔

(۲) ۱۔ بیہقی، المدخل إلی السنن الکبری، ۱: ۱۴۸، رقم: ۱۱۳
۲۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۴: ۱۸۷
۳۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ، ۱: ۳۸

رو پڑتے، اور جب بھی آپ ﷺ کے مکان کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں بند کر لیتے۔''

۲۔ حضرت عجلان سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِائَةَ مَرَّةٍ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَى وَجْهِهِ مِنَ النُّوْرِ نُوْرٌ. يَقُوْلُ النَّاسُ: أَيُّ شَيْءٍ كَانَ يَعْمَلُ هَذَا۔(۱)

''جو شخص جمعہ کے دن حضور نبی اکرم ﷺ پر سو (۱۰۰) مرتبہ درود بھیجتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر بہت زیادہ نور ہوگا۔ (اس کے چہرے کے نور کو دیکھ کر حیرت سے) لوگ کہیں گے: یہ شخص دنیا میں کونسا عمل کرتا تھا (جس کی بدولت آج اس کو یہ نور میسر آیا ہے)۔''

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهُ مَا دَامَ اسْمِي فِي ذَلِكَ الْكِتَابِ ۔(۲)

''جو شخص کسی کتاب میں (لکھ کر) مجھ پہ درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس کے لئے اس وقت تک بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود رہتا ہے۔''

---

(۱) بيهقي، شعب الإيمان، ۳: ۱۱۲، رقم: ۳۰۳۶

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۲۳۲، رقم: ۱۸۳۵

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۶۲، رقم: ۱۵۷

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۳۶

۳۔ حضور ﷺ کی سنتِ طیبہ اور حدیثِ مبارکہ کی تعظیم

۱۔ قاضی عیاض ''الشفاء'' میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے اونٹ کو لے کر ایک جگہ گھما رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو پوچھا: ''ابنِ عمر کیا کر رہے ہو؟ اونٹ کو بغیر کسی وجہ سے چکر دیئے جا رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا:

لَا أَدْرِي إِلَّا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَعَلَهُ فَفَعَلْتُهُ (۱)

''مجھے اور کچھ پتہ نہیں البتہ ایک روز میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس مقام پر ایسا کرتے دیکھا تھا، پس میں نے بھی ایسے کیا۔''

یعنی میں سنتِ طیبہ کی اتباع میں ایسا کر رہا ہوں۔ میں تو اپنے محبوب کی اداؤں کو دہرا رہا ہوں مجھے کیا خبر کہ وجہ کیا ہے؟ ایمان والے وجہ کو نہیں جانتے انہیں تو فقط محبوب ﷺ کی اداؤں سے غرض ہوتی ہے۔ یہی کمالِ عشق ہے جو ایمان کی اساس ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ امیہ بن عبداللہ بن خالد نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: ہم قرآن میں مقیمی اور حالتِ خوف کی نماز تو پاتے ہیں لیکن نمازِ سفر کے بارے میں ہم قرآن میں کچھ نہیں پاتے (کہ وہ کیسے پڑھی جائے)؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يَا ابْنَ أَخِي، إِنَّ اللهَ عزوجل بَعَثَ إِلَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا، وَ إِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ يَفْعَلُ۔ (۲)

''میرے بھتیجے! بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہماری طرف

---

(۱) قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۵۵۸

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر، باب: ۱، ۳: ۱۱۷، رقم: ۱۴۳۴

مبعوث فرمایا جبکہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے، ہم تو اسی طرح کرتے ہیں جیسا حضرت محمد ﷺ کو کرتا دیکھتے ہیں۔‘‘

ان کے بتلانے کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے پاس بھیجا جبکہ ہم کسی شئے کو نہیں جانتے تھے۔ نہ کوئی مسئلہ جانتے تھے، نہ شریعت کو جانتے تھے اور نہ احکام کو ،نہ جزئیات کو،نہ فروعات کواور نہ ہی اصول کو۔ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے پس جیسے وہ کرتے تھے ہم بھی اسی طرح آنکھ بند کر کے کر لیا کرتے تھے پھر یہی شریعت بن گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے حدیث وسنتِ نبوی ﷺ کی تعظیم وتکریم کا ثبوت ملتا ہے۔

۴۔ حضور ﷺ کے موئے مبارک کی تعظیم

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، وَ الْحَلَّاقُ يَحلِقُهُ، وَ أَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَمَا يُرِيْدُوْنَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ۔(۱)

.... ۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب تقصير الصلاة فی السفر، ۱: ۳۳۹، رقم: ۱۰۶۶

۳۔ مالك، الموطأ، ۱: ۱۴۵، رقم: ۳۳۴

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۶۵، ۹۴

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۶: ۴۴۴، رقم: ۲۷۳۵

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب قرب النبی ﷺ من الناس وتبركهم به، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۳، ۱۳۷، رقم: ۱۲۳۸۶، ۱۲۴۲۳

۳۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۷: ۶۸، رقم: ۱۳۱۸۹

www.MinhajBooks.com

’’میں نے دیکھا کہ حجام حضور نبی اکرم ﷺ کا سر مبارک مونڈ رہا تھا اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام آپ ﷺ کے گرد گھوم رہے تھے، وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کا کوئی بال بھی زمین پر گرنے کی بجائے ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرے۔‘‘

۵۔ حضور ﷺ کے مبارک لعابِ دہن کی تعظیم

حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک لعابِ دہن کی تعظیم کے حوالے سے عروہ بن مسعود کا مشاہدہ اس باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان سے روایت ہے کہ عروہ بن مسعود جب بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں کفار کا وکیل بن کر آیا تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھتا رہا کہ جب بھی آپ ﷺ اپنا لعابِ دہن پھینکتے تو کوئی نہ کوئی صحابی اسے اپنے ہاتھ میں لے کر اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا تھا۔ (۱)

۶۔ حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کی تعظیم

حضور نبی اکرم ﷺ کے جسدِ اطہر سے ہمیشہ پاکیزہ خوشبو آتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خوشبو کو مشک و عنبر اور پھول کی خوشبو سے بھی بڑھ کر پایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے اور شادی بیاہ کے موقع پر اپنی بیٹیوں کے لئے حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کو حاصل کرتے۔ اس سے برکت کی امید رکھتے اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس متاعِ عزیز کو سنبھال کر رکھتے۔

۱۔ حضرت ثمامہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے چمڑے کا ایک گدا بچھایا کرتیں جس پر

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وکتابة الشروط، ۲: ۹۷۴، رقم: ۲۵۸۱

حضور ﷺ قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ سونے سے بیدار ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے تو وہ آپ ﷺ کا پسینہ مبارک اور موئے مبارک کو ایک شیشی میں جمع کرتیں پھر ان کو خوشبو کے برتن میں ڈال دیتیں۔ حضرت ثمامہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْوَفَاةُ، أَوْصٰی إِلَيَّ أَنْ يُجْعَلَ فِيْ حَنُوْطِهٖ مِنْ ذَالِكَ السُّكِ، قَالَ: فَجُعِلَ فِي حَنُوْطِهٖ ۔(۱)

’’جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ ان کے حنوط(۲) میں اس خوشبو کو ملایا جائے۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے حنوط میں وہ خوشبو ملائی گئی۔‘‘

۲۔ حضرت حمید سے روایت ہے:

تُوُفِّيَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَجُعِلَ فِي حَنُوطِهٖ سُكَّةٌ أَوْ سُكٌّ وَ مَسَكَّةٌ فِيْهَا مِنْ عَرْقِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ۔(۳)

’’جب حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ان کے حنوط میں ایسی خوشبو ملائی گئی

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاستئذان، باب من زار قوماً فقال عنہم، ۵: ۲۳۱۶، رقم: ۵۹۲۵
۲۔ شوکانی، نیل الأوطار، ۱: ۶۹

(۲) حنوط: وہ خوشبو جو کافور اور صندل ملا کر میت اور کفن کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

(۳) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۲۴۹، رقم: ۷۱۵
۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۴۰۶، رقم: ۶۵۰۰
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۲۱ (امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔)

www.MinhajBooks.com

جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پسینے کی خوشبو تھی۔‘‘

۷۔ حضور ﷺ کے ماءِ مستعمل کی تعظیم

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ ﷺ جعرانہ میں تشریف لائے جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ بلال بھی تھے۔ ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا اور بولا: اے محمد (ﷺ)! آپ نے مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ’’خوش ہو جاؤ۔‘‘ اس نے کہا: آپ نے مجھ سے بہت دفعہ کہا ہے: ’’خوش ہو جاؤ۔‘‘ آپ ﷺ جلال کی حالت میں حضرت ابو موسیٰ اور حضرت بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس شخص نے میری بشارت کو رد کیا، اب تم دونوں میری بشارت قبول کرو۔ دونوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے (خوشخبری) قبول کی۔ پھر آپ ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اس میں اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ انور دھوئے اور اس میں کلی کی، پھر فرمایا:

إِشْرَبَا مِنْهُ وَ أَفْرِغَا عَلَى وُجُوْهِكُمَا وَ نُحُوْرِكُمَا، وَ أَبْشِرَا. فَأَخَذَا الْقَدَحَ فَفَعَلَا مَا أَمَرَهُمَا بِهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، فَنَادَتْهُمَا أُمُّ سَلَمَةَ مِنْ وَرَاءِ السِّتْرِ: أَفْضِلَا لِأُمِّكُمَا مِمَّا فِي إِنَائِكُمَا، فَأَفْضَلَا لَهَا مِنْهُ طَائِفَةً۔ (۱)

’’تم دونوں اس کو پی لو اور اپنے چہرے اور سینے پر مل لو اور خوش ہو جاؤ۔ ان دونوں نے پیالہ لے کر ایسے ہی کیا جیسے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا۔ پس

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف فی شوال سنة ثمان، ۴: ۱۵۷۳، رقم: ۴۰۷۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبی موسی و أبی عامر الأشعريين، ۴: ۱۹۴۳، رقم: ۲۴۹۷

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو پردے کے پیچھے سے آواز دی: اس برتن میں سے کچھ پانی بچا کر اپنی ماں کے لئے بھی لاؤ، پھر وہ اس میں سے کچھ پانی بچا کر ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی لے گئے۔''

۸۔ حضور ﷺ کے نعلینِ مبارک کی تعظیم

حضور نبی اکرم ﷺ نے جو نعلین استعمال فرمائے وہ بھی بڑے بابرکت ہو گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان نعلین مبارک کو تبرکاً محفوظ رکھا اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور ﷺ کے نعلین مبارک اور ایک پیالہ بھی محفوظ تھا جس میں حضور ﷺ پانی نوش فرماتے تھے۔ نعلین پاک کے حوالے سے حضرت عیسیٰ بن طہمان سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسٌ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ، لَهُمَا قِبَالاَنِ، فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّهُمَا نَعْلاَ النَّبِيِّ ﷺ. (۱)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں بغیر بال کے چمڑے کے دو نعلین مبارک نکال کر دکھائے جن کے دو تسمے تھے۔ بعد میں ثابت بُنانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا کہ یہ دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک ہیں۔''

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فرض الخمس، باب ما ذکر من درع النبی ﷺ وعصاہ وسیفه، ۳: ۱۱۳۱، رقم: ۲۹۴۰
۲۔ أیضاً، کتاب اللباس، باب قبالان فی نعل، ۵: ۲۲۰۰، رقم: ۵۵۲۰
۳۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۵: ۱۷۷، رقم: ۶۲۶۹۔۶۲۷۰

۹۔ حضور ﷺ کی مبارک جائے عبادت کی تعظیم

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی اسیرانِ حُسنِ مصطفیٰ ﷺ میں بڑے ادب سے لیا جاتا ہے۔ آپ بھی اپنے عظیم باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے محبتِ رسول کا پیکرِ اتم بن گئے تھے:

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْفَظُ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ يَسْأَلُ مَنْ حَضَرَ إِذَا غَابَ عَنْ قَوْلِهِ وَ فِعْلِهِ. وَكَانَ يَتَّبِعُ آثَارَهُ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ صَلَّى فِيْهِ، وَكَانَ يَعْتَرِضُ بِرَاحِلَتِهِ فِي طَرِيْقٍ رَأَى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَرَضَ نَاقَتَهُ، وَكَانَ لَا يَتْرُكُ الْحَجَّ، وَكَانَ إِذَا وَقَفَ بِعَرَفَةَ يَقِفُ فِي الْمَوْقِفِ الَّذِي وَقَفَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ۔ (۱)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضور نبی اکرم ﷺ سے جو کچھ سنتے اُسے یاد کر لیا کرتے تھے، اور جب وہ آپ ﷺ کے کسی قول و فعل کو کرنے کے وقت موجود نہ ہوتے تو اس کے بارے میں کسی حاضر شخص سے پوچھ لیتے۔ وہ آپ ﷺ کے نقوشِ قدم پر چلتے جس جس جگہ آپ ﷺ نے نمازیں پڑھی ہوتیں (اور پھر وہیں پہ سجدہ ریز ہوتے)۔ سفر کیلئے وہ راستے اختیار کرتے جن پر آپ ﷺ نے سفر کیا ہوتا، حج ترک نہ کرتے اور وقوفِ عرفہ کے وقت اس جگہ ٹھہرتے جس جگہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔‘‘

۱۰۔ حضور ﷺ کے منبر مبارک کی تعظیم

حضور نبی اکرم ﷺ جس منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین سکھاتے تھے، عشاقِ مصطفیٰ ﷺ نے اس منبر شریف کو بھی آپ ﷺ کے دوسرے آثار کی

(۱) عسقلانی، الإصابة في تمييز الصحابة، ۴: ۱۸۶

طرح دل و جاں سے حصولِ برکت کا ذریعہ بنا لیا۔ وہ اسے جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے اوراس سے برکت حاصل کرتے۔

امام ابنِ حبان، ابنِ سعد اور قاضی عیاض جیسے معتبر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر مبارک کو تبرکاً مسح کر کے اپنے چہرہ پر ہاتھ مَل لیتے۔ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں:

رأيت ابن عمر وضع يدَه على مَقْعَدِ النبيِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من المِنبَر، ثم وضعها على وَجْهه۔ (1)

''میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے منبر (نبوی) کی وہ جگہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے، اسے اپنے ہاتھ سے چھوا اور پھر اسے اپنے چہرہ پر مل لیا۔''

۱۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثارِ مبارک کی تعظیم

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دہنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مس شدہ مشکیزہ کا منہ حصولِ خیر و برکت کے لئے کاٹ کر محفوظ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ اپنی دادی حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا، وَ عِنْدَهَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْهَا وَهُوَ قَائِمٌ، فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ تَبْتَغِي بَرَكَةَ مَوْضِعِ فِي رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (2)

(1) ۱۔ ابن حبان، الثقات، ۴: ۹، رقم: ۱۴۰۶
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۲۵۴
۳۔ قاضی عياض، الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ، ۲: ۳۰

(2) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الأشربة، باب الشرب قائمًا، ۲: ۱۱۳۲، رقم: ۳۴۲۳

www.MinhajBooks.com

’’بے شک حضور نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا اس حال میں کہ آپ ﷺ قیام فرما تھے، پس انہوں نے مشکیزے کا منہ حضور نبی کرم ﷺ کے دہنِ اقدس والی جگہ سے حصولِ برکت کے لیے کاٹ کر رکھ لیا۔‘‘

۲۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں گستاخِ رسول خالد بن سفیان بن الھذلی کا کام تمام کر کے آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا چہرہ فلاح پائے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس (خالد بن سفیان) کو قتل کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ مجھے اپنے ساتھ لئے اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور مجھے ایک عصا عطا کر کے فرمایا: عبداللہ بن اُنیس! اسے اپنے پاس رکھنا، پس جب میں یہ عصاء لے کر لوگوں کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ عصا (ڈنڈا) کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یہ مجھے حضور ﷺ نے عنایت فرمایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ اسے پاس رکھنا۔ لوگوں نے (مجھے) کہا: کیا تم اسے حضور نبی اکرم ﷺ کو واپس نہیں کرو گے؟ اس کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کرو۔ عبداللہ بن انیس کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ عصا مبارک آپ ﷺ نے مجھے کس لیے عطا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الأشربة، باب ما جاء فی الرخصة فی ذلك، ۴: ۳۰۶، رقم: ۱۸۹۲

۳۔ أیضاً، الشمائل المحمدیة، باب صفة شرب رسول الله ﷺ، ۱: ۱۷۴، رقم: ۲۱۴

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۱۳۸، رقم: ۵۳۱۸

۵۔ حمیدی، المسند، ۱: ۱۷۲، رقم: ۳۵۴

آيَةٌ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ أَقَلَّ النَّاسِ الْمُتَخَصِّرُوْنَ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَقَرَنَهَا عَبْدُاللهِ بِسَيْفِهِ فَلَمْ تَزَلْ مَعَهُ حَتَّى إِذَا مَاتَ، أَمَرَ بِهَا فَصُبَّتْ مَعَهُ فِي كَفَنِهِ ثُمَّ دُفِنَا جَمِيْعًا(۱)

''قیامت کے روز یہ تیرے اور میرے درمیان ایک نشانی ہوگی، بے شک قیامت کے دن بہت کم لوگ ہاتھوں میں عصاء لئے ہوں گے۔ (راوی بیان کرتے ہیں کہ) حضرت عبداللہ بن اُنیس نے اس عصا کو اپنی تلوار کے ساتھ باندھ لیا اور وہ ہمیشہ ان کے پاس رہتا یہاں تک کہ ان کا وصال ہوگیا۔ انہوں نے عصا کے متعلق وصیت کی تھی کہ اس کو ان کے کفن میں رکھ دیا جائے، پس ان کے کفن میں اسے رکھ دیا گیا پھر دونوں کو دفن کر دیا گیا۔''

۱۲۔ حضور ﷺ کے مقدس شہرِ اقامت کی تعظیم

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ حَرَمٌ، وَ حَرَمِي الْمَدِيْنَةُ۔(۲)

''ہر نبی کے لئے کوئی نہ کوئی حرم ہے، اور میرا حرم مدینہ ہے۔''

۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کا

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۴۹۶
۲۔ أبویعلی، المسند، ۲: ۲۰۲، رقم: ۹۰۵
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۲۵۶، رقم: ۵۸۲۰

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۱۸
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۶: ۳۵۶، رقم:۶۶۰۷
۳۔ ابن جعد، المسند، ۱: ۴۹۲، رقم:۳۴۲۷

ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا، لَا يُقْطَعُ عِضَاهُهَا وَ لَا يُصَادُ صَيْدُهَا۔(۱)

''بلاشبہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ منورہ کی لَابَتَین (دونوں پتھریلی اطراف) کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں، اس کے کسی درخت کو نہ کاٹا جائے اور نہ کسی جانور کا شکار کیا جائے۔''

۳۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يَحْمِلُ فِيْهَا السِّلَاحَ لِقِتَالٍ۔(۲)

''کسی فردِ بشر کے لئے جائز نہیں کہ مدینہ میں لڑنے کے لئے ہتھیار اُٹھائے۔''

اِن احادیثِ مبارکہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شہرِ مدینہ کو کس طرح امن کا گہوارہ بنا دیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا! اسی زمین سے افقِ عالم پر دائمی امن کے سورج کو طلوع ہونا اور احترامِ انسانیت کا درس ملنا تھا۔ اسی شہر سے انسان دوستی کی روایت کو منشورِ زندگی ٹھہرنا تھا اور اسی شہرِ بے مثال سے حقوقِ انسانی کی توثیق ہونا تھی۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ، ۲: ۹۹۲، رقم: ۱۳۶۲

۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۸۷، رقم: ۴۲۸۴

۳۔ أبو یعلی، المسند، ۴: ۱۱۳، رقم: ۲۱۵۱

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴۷، ۳۹۳

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب المناسك، باب فی تحریم المدینۃ، ۲: ۲۱۶، رقم: ۲۰۳۵

۳۔ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۲۰۱

جوشخص حضور نبی اکرم ﷺ کے احکامات کی پابندی نہیں کرتا، مثلاً حدودِ حرم میں درختوں کو کاٹتا ہے اور جانوروں کا شکار کرتا ہے یا لڑائی جھگڑا کرتا ہے تو وہ آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے، ایسے شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا اِرشاد ہے:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا، وَلَا يُحْدَثُ فِيْهَا حَدَثٌ، مَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. (۱)

’’مدینہ یہاں سے لے کر وہاں تک حرم ہے، نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے اور نہ اس میں کوئی (سنت کے خلاف) نئی بات پیدا کی جائے، جوشخص اس میں کوئی نئی بات نکالے گا اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔‘‘

۵۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ أَخَذْتُمُوْهُ يَقْطَعُ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ فَلَكُمْ سَلْبُهُ. (۲)

’’جس (شخص) کو بھی تم حرم کے درخت کاٹتے ہوئے پکڑو تو اس کا سامان پکڑنے والے کی ملکیت ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الحج، باب حرم المدينة، ۲:۲۶۱، رقم:۱۷۶۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فضل المدينة و دعاء النبی ﷺ فيها بالبركة، ۲: ۹۹۵، ۹۹۹، رقم: ۱۳۷۰، ۱۳۷۱

(۲) ۱۔ بيهقی، السنن الكبری، ۵:۱۹۹

۲۔ طيالسی، المسند، ۱:۳۰، رقم:۲۱۸

۱۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور کی تعظیم

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ زَارَ قَبْرِي، أَوْ قَالَ: مَنْ زَارَنِي كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا أَوْ شَهِيْدًا، وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۱)

''جس نے میری قبر کی، یا (راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا: جس نے میری زیارت کی تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا، اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہوگیا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن پانے والوں میں سے اٹھائے گا۔''

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا يَعْلَمُهُ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِي، كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۲)

''جو بغیر کسی حاجت کے صرف میری زیارت کے لیے آیا تو اُس کا مجھ پر حق

---

(۱) ۱۔ طیالسی، المسند، ۱: ۱۲، ۱۳، رقم: ۶۵
۲۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۲۷۸
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۲۴۵، رقم: ۱۰۰۵۳
۴۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۴۸۹، رقم: ۴۱۵۳

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۲۹۱، رقم: ۱۳۱۴۹
۲۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام: ۱۳
۳۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۱: ۲۳۷

ہے کہ میں روزِ قیامت اُس کی شفاعت کروں۔‘‘

ابن السکن نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ’’**السنن الصحاح مأثورة عن رسول الله** ﷺ‘‘ کے خطبہ میں اس کتاب میں نقل کردہ روایات کو بالاجماع ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح قرار دیا ہے۔ اِس حدیث مبارکہ کو اُنہوں نے ’کتاب الحج‘ میں **باب ثواب من زار قبر رسول الله** ﷺ میں نقل کیا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ کا فرمانِ اقدس ہے:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي۔(۱)

’’جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔‘‘

۴۔ جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے خط پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے لوگوں کو شام کی طرف کوچ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکلنے کو کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہوکر چار رکعت نماز ادا کی، پھر حضور نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دی اور (بارگاہِ نبوت میں) سلام عرض کیا۔(۲)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ابنِ عمر کا معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس لوٹتے تو حضور ﷺ کے

---

(۱) ۱۔ دارقطني، السنن، ۲: ۲۷۸، رقم: ۱۹۲
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۳۱۰، رقم: ۱۳۴۹۷
۳۔ بیهقي، شعب الإيمان، ۳: ۴۸۹، رقم: ۴۱۵۴

(۲) واقدي، فتوح الشام، ۱: ۳۰۶۔ ۳۰۷

روضۂ اقدس پر حاضری دیتے اور عرض کرتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ! (۱)

’’**اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ!** (اے اللہ کے (پیارے) رسول! آپ پر سلامتی ہو)، **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ!** (اے ابوبکر! آپ پر سلامتی ہو)، **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ !** (اے ابا جان! آپ پر سلامتی ہو۔)‘‘

۶۔ حضرت داؤد بن صالح بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ مروان بن الحکم نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور پُرنور ﷺ کی قبرِ انور پر اپنا منہ رکھے ہوئے (بوسہ دے رہا) ہے تو مروان نے اسے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ تو یہ کیا کر رہا ہے؟ جب مروان اس کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا:

نَعَمْ، جِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَ لَمْ آتِ الْحَجَرَ۔ (۲)

’’ہاں (میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں)، میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۳:۵۷۶، رقم: ۶۷۲۴

۲۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۳:۲۸، رقم: ۱۱۷۹۳

۳۔ ابن إسحاق أزدی، فضل الصلاة علی النبی ﷺ: ۹۱، رقم: ۹۹

۴۔ ابنِ اسحاق ازدی نے (فضل الصلاة علی النبی ﷺ: ۹۲، رقم: ۱۰۰) میں حضرت نافع سے ایک دوسری سند سے بھی اِسے روایت کیا ہے۔

۵۔ بيهقی، السنن الکبریٰ، ۵:۲۴۵، رقم: ۱۰۰۵۱

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۴۲۲

۲۔ حاکم، المستدرک، ۴:۵۱۵، رقم: ۸۵۷۱

۳۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۴:۱۵۸، رقم: ۳۹۹۹

امام احمد بن حنبلؒ کی بیان کردہ روایت کی اِسناد صحیح ہیں۔ حاکم نے اسے شیخین (امام بخاری و مسلم) کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے جبکہ ذہبی نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔

۱۴۔ حضور ﷺ کے اہلِ بیت و صحابہ کی تعظیم

۱۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ ہمیں خطبہ دینے کے لئے مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اس تالاب پر کھڑے ہوئے جسے خُم کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا:

أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُوْلُ رَبِّي فَأُجِيْبَ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيْهِ الْهُدَى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللهِ. وَاسْتَمْسِكُوْا بِهِ. فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ. ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي. أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي(۱)

''لوگو سن لو! میں تو بس ایک آدمی ہوں عنقریب میرے رب کا بھیجا ہوا (ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السلام میرے پاس) آئے گا اور میں اسے لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب، ۴: ۱۸۷۳، رقم: ۲۴۰۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۶۶، رقم: ۱۹۲۶۵

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۲: ۱۴۸، رقم: ۲۶۷۹

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۴۵، رقم: ۱۲۳

مضبوطی سے تھام لو، پس آپ ﷺ نے کتاب اللہ (کی تعلیمات پر عمل کرنے) پر ابھارا اور اس کی ترغیب دی پھر (دوسری چیز کے بارے میں) فرمایا: اور (دوسرے) میرے اہلِ بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ (یہ قول تین بار دہرایا۔)‘‘

۲۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوحٍ، مَنْ رَكِبَ فِيْهَا نَجَا، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ۔(۱)

’’میرے اہلِ بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوگیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوگیا۔‘‘

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۶، رقم: ۲۶۳۶

۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۱۰، رقم: ۳۴۷۸

۳۔ حاکم، االمستدرک، ۳: ۱۶۳، رقم: ۴۷۲۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب قول النبي ﷺ: لو کنت متخذًا خلیلًا، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۳۴۷۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة، ۴: ۱۹۶۷، رقم: ۲۵۴۰

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، ۵: ۶۹۵، رقم: ۳۸۶۱

’’میرے صحابہ کو برا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو پھر بھی وہ ان کے سیر بھر یا اس سے آدھے کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔‘‘

۴۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰه اللّٰه فِي أَصْحَابِي، اللّٰه اللّٰه فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰه، وَمَنْ آذَى اللّٰه فَيُوْشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ ۔(۱)

’’میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ مت بنانا، پس جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی ، جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی عنقریب اللہ تعالیٰ اُس کی گرفت کرے گا۔‘‘

تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِستغراق فی التوحید کے منافی نہیں

خوارج کا یہ باطل نظریہ ہے کہ محبت و تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات میں

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب فیمن سبّ أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵: ۶۹۶، رقم: ۳۸۶۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۵۴، ۵۷، رقم: ۲۰۵۴۹، ۲۰۵۷۸

۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۹۱، رقم: ۱۵۱۱

کامل استغراق اور اس کی معرفت کے حصول میں انہماک سے مانع ہے۔ امام محمود آلوسیؒ نے ایسے ہی نظریات کے حامل لوگوں کا محاکمہ کیا ہے، ایسے باطل نظریے کے حامل بعض زندقہ اور ملحد لوگوں نے اپنے آپ کو مستغرق فی التوحید قرار دیتے ہوئے یہ کہا:

الرُّسُلُ سِوَی اللهِ تَعَالَی وَ کُلُّ مَا سِوَاهُ سُبْحَانَهُ حِجَابٌ عَنْهُ جَلّ شَأْنُهُ. فَالرُّسُلُ حِجَابٌ عَنْهُ وَ كُلُّ مَا هُوَ حِجَابٌ لَا حَاجَةَ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِ. فَالرُّسُلُ لَا حَاجَةَ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِمْ. وَ هٰذَا جَهْلٌ ظَاهِرٌ۔(۱)

''انبیاء، اللہ رب العزت کا غیر اور اس کا ما سوا ہیں اور ہر ما سوی اللہ سبحانہ کو اس سے حجاب ہے۔ اس لئے انبیاء اور رسل کو بھی اس سے حجاب ہیں، اور ہر وہ چیز جو اللہ جل شانہ سے حجاب میں ہو مخلوق کو اس کی حاجت و ضرورت نہیں۔ پس مخلوق کو انبیاء و رسل کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ ایسا کہنا کھلی جہالت ہے۔''

انبیائے کرام اور رسلِ عظام علیھم السلام کے خلاف خوارج نے یہ عقیدہ استغراق فی التوحید کے نام پر پیش کیا، حالانکہ ایسا عقیدہ الحاد اور زندقہ ہے۔ اس لئے کہ انبیاء و رسلِ عظام اللہ تعالیٰ تک براہِ راست رسائی اور اس کے وصال و وصول کا واحد ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ صحیح معرفتِ ربانی کے لئے آئینۂ حق نما ہیں۔ رسالت و نبوت کو حجاب سمجھنا اور معرفتِ الٰہی سے مانع قرار دے کر اسے شرک بنا ڈالنا پرلے درجے کی حماقت اور گمراہی ہے۔

قرآن و سنت کی بے شمار نصوصِ قطعیہ سے یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن سے انبیاء و رسل عظام کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل فرض ہے۔ بالخصوص اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور سیدِ عالم ﷺ کو اعلیٰ ترین اختیارات اور تصرفات کے ساتھ

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۱۴: ۹۴

www.MinhajBooks.com

مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کے حکم کو اپنا حکم، آپ ﷺ کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ، آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، آپ ﷺ کے عصیان کو اپنا عصیان، آپ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ، آپ ﷺ کے مارنے کو اپنا مارنا، آپ ﷺ کے ادب و احترام کو اپنی عبادت اور آپ ﷺ کی تعظیم کو اپنی توحید اور تقوی کا لازمی تقاضا قرار دیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کو اپنی بارگاہ میں حاضری، آپ ﷺ کی طرف ہجرت کو اپنی ہجرت قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت و بخشش کے حتمی حصول کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت کو ضروری اور لازمی قرار دیا اور آپ ﷺ کی عطا کو اپنی عطا اور آپ ﷺ کی منع کو اپنی منع ٹھہرایا۔ مالک و مولا اور خالق و بے نیاز ہو کر رب العالمین نے اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ کے خود آداب سکھائے، اونچا بولنے سے منع کیا اور لاپرواہی سے پکارنے کو حرام ٹھہرایا۔ خلاف ورزی پر تمام اعمال برباد کر دینے اور ساری محنت و کمائی پر پانی پھیر دینے کی وعید سنائی۔ آپ ﷺ کے صحابہ، اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات کے مرتبہ و مقام کو ملحوظ رکھنے اور انہیں ایذا پہنچانے سے اجتناب و احتراز کا حکم دیا اور کبھی آپ ﷺ کے ساتھ چلنے کا ادب اور سلیقہ سکھلایا۔ کہیں آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرانے کی کیفیتِ خطاب و نداء سے آگاہ فرمایا اور کبھی آپ ﷺ کے بلاوے کی اہمیت اور فوری حاضری کے وجوب کو بیان کیا اور تغافل و لا پرواہی کے امکانات کا سد باب کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اسی نسبتِ مطہرہ کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے صرف ذاتِ رسول ﷺ تک اپنی بلند درجہ عقیدت و احترام کو محدود نہیں رکھا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ سے منسوب ہر شئے حرزِ جاں بنائے رکھی اور حد درجہ تعظیم و تکریم کی۔ انہوں نے آپ ﷺ کے مبارک لعابِ دہن، پسینہ مبارک، مستعمل پانی، موئے مبارک، نعلینِ مقدسہ، منبر مبارک، جائے عبادت، بلدِ مقدس، قبرِ انور، حدیثِ مبارکہ، ذکرِ مبارک، اور اسمِ مبارک سے بھی اپنی والہانہ محبت کا ثبوت دیا۔

قرآن و سنت اور صحابہ کرام کے احوال پر مشتمل ان تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ تا قیامت آنے والے لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اور بلندی مقام کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ ﷺ سے کما حقہ مستفید ہو سکیں اور آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع اور معیت و محبت کو شرک اور منافیٔ توحید نہ سمجھنے لگیں۔ حضور ﷺ کے بارے میں واضح فرما دیا کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد انبیاء و رسل کو بھی آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کے بغیر چارہ نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (۱)

’’پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ان کی مدد کرو گے۔‘‘

خلاصۂ کلام

اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت شرک ہوتی تو وہ عبادت کی طرح محبت کو بھی بلا شرکتِ غیرے اپنا اختصاصی و امتیازی حق قرار دے دیتا لیکن اس نے ایسا حکم کہیں بھی نہیں دیا بلکہ محبت کے باب میں صراحت کے ساتھ تینوں یعنی اللہ، ذاتِ محمدی ﷺ اور مؤمنین کو محبت کا حق دار و سزاوار ٹھہرایا۔ اس کا اعلان ہے کہ اگر اہلِ ایمان میں کوئی مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے تو وہ میرے رسول ﷺ کی محبت کو اپنا منتہائے مقصود بنا لے، اسے میری محبت حاصل ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اہل اللہ سب کے ساتھ محبت، چاہت اور اپنائیت کے تعلقات و روابط استوار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ حکمِ الٰہی کے مطابق اس تعلق کی استواری خلقِ خدا کی ضرورت بھی ہے۔

---

(۱) آل عمران، ۳:۸۱

فصل سوُم

تعظیم بالقیام

www.MinhajBooks.com

حالتِ قیام میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اَقدس پر سلام عرض کرنا اہلِ عقیدت و محبینِ مصطفیٰ ﷺ کا خاصہ ہے۔ جس طرح حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اہلِ ایمان پر واجب تھی اور صحابہ کرام آپ ﷺ کا حد درجہ ادب و احترام کرتے تھے۔ اسی طرح آج بھی آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر امت پر واجب ہے۔ محفلِ میلاد یا محفلِ نعت کے دوران آپ ﷺ پر سلام پڑھتے وقت احتراماً کھڑے ہونا اسی ادب و تعظیم کا تسلسل ہے۔ جس محفل میں ادب و تعظیم کا خصوصی اہتمام کیا جائے اس پر انوار و برکاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔

بعض لوگ کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھنے کو بھی بدعت یا شرک سمجھتے ہیں۔ اکثر اوقات اس عمل پر جھگڑے اور تلخیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ ہمارا ذاتی مشاہدہ ہے کہ محض اس خیال سے کئی لوگ ایسی مجالسِ درود و سلام سے دور ہٹ کر کھڑے ہونے یا وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ گویا وہ کسی برائی سے کنارہ کشی کر رہے ہوں یا کسی خلافِ شریعت فعل سے اجتناب کر رہے ہوں۔ حالانکہ یہ قیام، حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے باعث ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی تعظیم کا تصور بذاتِ خود محبت و ایمان میں اضافہ کا سبب ہے۔ اس کے برعکس جن کی طبیعتوں پر بوجھ آتا ہے وہ تعظیم و توقیرِ مصطفیٰ ﷺ کی توفیق سے خود محروم ہوتے ہیں اور اس محرومی کا نام توحید رکھ لیتے ہیں۔ یہ تعظیم رسول ﷺ ہے یا تعلیماتِ توحید کی خلاف ورزی؟ یہ جاننے کے لئے یہاں ہم قیام کی مشروعیت پر بالاختصار کچھ معروضات پیش کر رہے ہیں۔

www.MinhajBooks.com

قیام کا لغوی معنی و مفہوم

۱۔ عربی لغت کے اعتبار سے قَامَ يَقُوْمُ قَوْمًا وَ قِيَامًا وَ قَوْمَةً کا معنی ہے: کھڑا ہونا، سیدھا ہونا، چلتے ہوئے رک جانا۔[۱]

۲۔ نماز کے لئے جب کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت کہا جاتا ہے **قامتِ الصلوة**۔ یعنی نماز شروع ہوئی یا نماز کے لئے لوگ کھڑے ہوگئے۔[۲]

۳۔ اسی طرح **إقامة الصلوة** کا معنی ہے: نماز کو اس کے جملہ اَرکان و شرائط یا حقوق اور تقاضوں کے مطابق خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا۔[۳]

۴۔ **أقام بالمکان** کا معنی ہے: قیام کرنا، ٹھہرنا، سکونت اختیار کرنا۔[۳]

۵۔ **القیام** کا مطلب ہے: ٹھہراؤ، نماز میں سیدھا کھڑا ہونا، نیند سے بے داری، مطلقاً کھڑے ہونے کی حالت۔

لغوی اعتبار سے قیام کے ان مشتقات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیام کسی ایک اَمر کے ساتھ خاص نہیں اور نہ یہ محض شرعی اِصطلاح ہے بلکہ ہر وہ اَمر جس میں ٹھہراؤ، جماؤ اور سیدھا کھڑے ہونے کا تصور ہو اس پر قیام کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

قیام کا شرعی معنی و مفہوم

۱۔ اصطلاحِ شریعت میں قیام نماز کی اس حالت کا نام ہے جب بندہ خاص ہیئت کے ساتھ عبادت کی نیت سے بارگاہ رب العزت میں کھڑا ہوتا ہے۔ ادائیگی اور قبولیتِ نماز کے لئے قیام شرط ہے اگر تندرست آدمی فرض نماز میں عمداً قیام

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۲: ۴۹۶

(۲) ابن اثیر، النهایة، ۴: ۱۲۶

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۱۲: ۴۹۸

ترک کر دے تو نماز نہ ہوگی۔

۲۔ علاوہ ازیں اپنے والدین، اساتذہ و مشائخ کی تعظیم کے لئے یا مہمان کے استقبال کے لئے ادباً و احتراماً قیام کرنا بھی شرعاً جائز ہے۔

چنانچہ کسی شاگرد کا اپنے استاد کے لئے ادباً، میزبان کا مہمان کے لئے اکراماً، شیخ کا مرید کے لئے محبتاً اور بیٹے کا والدین کے لئے ادباً، فرحتً اور تعظیماً کھڑا ہونا بھی قیام کی جائز صورتیں ہیں۔ پس تاجدارِ کائنات ﷺ کے ادب اور ولادت پاک کو یاد کرکے میلاد میں ادباً، فرحتً، تعظیماً اور اکراماً کھڑا ہو کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ یہ فقط تعظیماً ہوتا ہے اس میں نہ تو آپ ﷺ کو معبود تصور کیا جاتا ہے اور نہ یہ تصور اور عقیدہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ظاہری وجسمانی وجود کے ساتھ محفل میں جلوہ گر ہیں۔

کیا ہر قیام عبادت ہے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیام ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ ان کے نزدیک قیام صرف عبادت کے لئے ہوتا ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے قیام بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں کسی اور کے لئے قیام کرنا شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ ایک لغو اور مبنی بر جہالت و تعصب بات ہے۔ اس لئے کہ اگر ہر قیام عبادت قرار پائے تو پھر ہماری زندگی اجیرن بن کے رہ جائے گی ہم اپنی روز مرہ زندگی میں درجنوں مرتبہ نماز کے علاوہ قیام کرتے ہیں جو کہ فطری اور شرعی اعتبار سے درست ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر معترضین نماز میں قیام کی بناء پر یہ کہیں کہ قیام کرنا عبادت کا حصہ ہے اور صرف خدا کے لئے ہے تو پھر وہ قعود (بیٹھنے) اور لیٹنے کی حالت کے بارے میں کیا کہیں گے؟ وہ بھی تو قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حصہ ہے۔

www.MinhajBooks.com

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ. [۱]

’’یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں عبادت اور ذکرِ الٰہی کرنے کی تین حالتیں بیان ہوئی ہیں:

(۱) حالتِ قیام میں اللہ کی عبادت کرنا

(۲) بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنا

(۳) لیٹ کر اللہ کی عبادت کرنا

اگر قیام صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو پھر بیٹھنا اور لیٹنا کس کے لئے ہے؟ حالانکہ آیت کی رو سے بیٹھنا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوگیا اور لیٹنا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوگیا۔ معترضین کی بات مان لی جائے تو پھر ان کے نظریہ کے مطابق قیام کے ساتھ قعود اور لیٹنے کی حالتیں بھی شرک قرار پائیں گی کیونکہ یہ بھی ذکرِ الٰہی اور عبادتِ الٰہی کا جزو ہیں۔ اگر یہ سب شرک ہے تو باقی کیا بچا؟ اس طرح تو سارا نظامِ حیات درہم برہم ہوکر رہ جائے گا اور انسان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے اٹھنا، بیٹھنا اور لیٹنا سب شرک ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ اعتراض غلط، لغو اور بے معنی ہے۔ ان حرکات وسکنات کو صرف عبادت اور ذکرِ الٰہی کے لئے خاص کر دینا ایک مضحکہ خیز بات ہوگی۔

اس امر کا تعین کرنا کہ یہ حالت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور یہ حالت اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں، اس کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اگر آپ قیام عبادت کی نیت سے کر رہے ہیں تو پھر کسی اور کے لئے کرنا شرک ہوگا لیکن اگر قیام عبادت کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے لئے ہو تو پھر شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عبادت اور تعظیم میں ہمیشہ یہ فرق بہرحال

(۱) آل عمران، ۳:۱۹۱

ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔

قیامِ تعظیمی اَز روئے سنت جائز ہے

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوتے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کے لئے قیام کرنا سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ قیام کرنے کی مختلف وجوہ اور اسباب ہیں۔ اس مضمون کے پیشِ نظر متعدد احادیث کے بالاستیعاب مطالعہ سے قیام کی درج ذیل سات جائز صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ قیامِ استقبال ۲۔ قیامِ محبت

۳۔ قیامِ فرحت ۴۔ قیامِ تعظیم

۵۔ قیامِ اِکرامِ انسانی ۶۔ قیامِ ذکر

۷۔ قیامِ سلام

یہ درجہ بندی اس مضمون کو زیادہ آسان اور باضابطہ بنانے کے لئے کی گئی ہے۔ قیام کی مشروعیت کے بارے میں مزید تفصیلات کے لئے ہماری کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' کا متعلقہ باب ملاحظہ کریں۔

(۱) قیامِ اِستقبال

کسی معزز و محترم شخصیت یا رہنمائے ملت وقوم کی آمد پر کھڑے ہوکر استقبال کرنا قیامِ استقبال کہلاتا ہے اور اس کے جواز کی اصل سنتِ رسول ﷺ سے ماخوذ ہے۔غزوہ احزاب کے موقع پر یہود کے قبیلہ بنوقریظہ نے حضور ﷺ سے عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے خلاف کفار ومشرکین کی مدد کی۔ غزوہ کے بعد ان کو سزا دینے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور ان کے کہنے پر فیصلہ کے لیے ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نَزَلَ أَهْلُ قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى سَعْدٍ فَأَتَى عَلَى حِمَارٍ. فَلَمَّا دَنَى مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَ لِلْأَنْصَارِ قُوْمُوْا إِلَى سَيِّدِكُمْ أَوْ خَيْرِكُمْ۔(۱)

''جب بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم کو ماننے کا اقرار کر دیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد کو بلا بھیجا، سو وہ دراز گوش پر سوار ہو کر آئے۔ پس جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار سے فرمایا: (اے قبیلے والو) تم اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔''

روایت کے الفاظ ''سَيِّدِكُمْ'' اس امر کے براہِ راست مظہر ہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں جس قیام کا حکم دیا وہ قیامِ استقبال تھا۔ اسے قیامِ تعظیم پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے اُن کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے تمام انصار کو کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا، لہٰذا یہ گمان کرنا کہ یہ قیامِ تعظیم اور استقبال کے لیے نہیں بلکہ ایک بیمار شخص کی اعانت کے لیے تھا، متنِ حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ یہ ارشاد تو اس معنی میں ہے کہ سیادت کی وجہ سے ان کا استقبال کرو۔ اگر ان کو سواری سے اتارنا مقصود ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو کسی ایک یا دو افراد کو مامور کر دیتے، تمام لوگوں کو کھڑا ہونے کے لیے نہ فرماتے۔ حدیث میں ''أَوْ خَيْرِكُمْ'' کے الفاظ بھی قیامِ استقبال پر دلالت کر رہے ہیں۔

---

(۱) ۱ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرجع النبي ﷺ من الأحزاب، ۴:۱۵۱۱، رقم: ۳۸۹۵

۲۔ أیضاً، کتاب الاستئذان، باب قول النبي ﷺ: قوموا إلی سیدکم، ۵:۲۳۱۰، رقم: ۵۹۰۷

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد، باب جواز قتال من نقض العهد، ۳:۱۳۸۸، رقم: ۱۷۶۸

(۲) قیامِ محبت

یہ قیام محبت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے، اسے قِیَام فِي الْمَحَبَّة یا قِیَام فِي الْحُبّ بھی کہتے ہیں۔ والدین کا قیام اپنی اولاد کے لیے، استاد کا شاگرد کے لیے، شیخ کا اپنے خاص مرید کے لیے، یا کسی بھی بڑے کا قیام چھوٹے کے لیے اسی قسم کے ذیل میں آتا ہے۔

۱۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ سَمْتًا وَ دَلًّا وَ هَدْيًا بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِي قِيَامِهَا وَ قُعُوْدِهَا مِنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ. قَالَتْ: وَكَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا وَ أَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا فَقَبَّلَتْهُ وَ أَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا۔(۱)

’’میں نے حسنِ صورت، حسنِ خلق اور سکون و وقار میں نیز قیام و قعود کے لحاظ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ سے زیادہ کسی ایک کو بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا۔ آپ فرماتی ہیں: جس وقت وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے، جب

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فضل فاطمۃ، ۵:۷۰۰، رقم: ۳۸۷۲

۲۔ ابو داود، السنن، کتاب الأدب، باب ما جاء فی القیام، ۴:۳۵۵، رقم: ۵۲۱۷

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵:۹۶، رقم: ۸۳۶۹

حضور نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے لئے کھڑی ہو جاتیں، دستِ اقدس کا بوسہ لیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔‘‘

اس حدیث میں سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کا اظہارِ محبت و تعظیم میں اپنے ابا جان حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے کھڑا ہونا اور آپ ﷺ کا اظہارِ محبت و فرحت میں اپنی لختِ جگر اور نورِ نظر کے لئے قیام فرمانا ثابت ہے۔ اس ایک ہی حدیث میں قِیَام لِلْفَرْحَةِ وَ الْمَحَبَّة اور قِیَام لِلتَّعْظِیْم دونوں کا ذکر موجود ہے۔

۲۔ قیامِ محبت پر ہی ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

رَأَی النَّبِيُّ ﷺ النِّسَاءَ وَالصِّبْیَانَ مُقْبِلِیْنَ ...... قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ...... مِنْ عُرُسٍ. فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مُمْثِلًا فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ. قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو آتے ہوئے دیکھا۔ (راوی بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا:)’’ شادی سے آتے ہوئے‘‘ پس آپ ﷺ خوشی سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: خدایا! (اے انصار) تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ ﷺ نے یہ کلمات تین مرتبہ فرمائے۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب قول النبی ﷺ للأنصار: أنتم أحب الناس إليّ، ۳: ۱۳۷۹، رقم: ۳۵۷۴
۲۔ أیضاً، کتاب النکاح، باب ذهاب النساء والصبیان إلی العرس، ۵: ۱۹۸۵، رقم: ۴۸۸۵
۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل الأنصار، ۴: ۱۹۴۸، رقم: ۲۵۰۸
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۵، رقم: ۱۲۸۲۰

ائمہ حدیث نے جو باب قائم کیا ہے وہ کسی انسان کا دوسرے انسان کے لئے اکراماً وتعظیماً قیام کرنے سے متعلق ہے۔ یہ قیامِ تعظیم متفق علیہ احادیث سے ثابت ہے۔

امام ابو داؤد کی السنن میں باب نمبر ۱۵۲، ۱۵۳ کے الفاظ ذہن نشین کرنے کے لائق ہیں۔ انہوں نے قیام پر مشتمل احادیث کے باب قائم کرتے ہوئے دو عنوانات مقرر کیے ہیں:

(۱) بَابُ الرَّجُلِ يَقُوْمُ لِلرَّجُلِ يُعَظِّمُهُ بِذٰلِكَ (کسی شخص کا دوسرے شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا باب)

(۲) بَابٌ فِي قِيَامِ الرَّجُلِ لِلرَّجُلِ (ایک شخص کا دوسرے کے لئے قیام کرنے کا باب)

موصوف نے قیام کا لفظ دو جگہ استعمال کیا ہے۔ علیحدہ علیحدہ تہذیبوں اور ثقافتوں کے پیشِ نظر عرب لوگ عربوں کے لئے اور انگریز انگریزوں کے لئے اپنا نقطہ نظر بیان کریں گے۔ مگر قیام کے باب میں سب کے ہاں قدرِ مشترک پائی جاتی ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ پاکستان یا انڈیا کا عقیدہ ہے بلکہ یہ وہ عقیدہ ہے جو صحاحِ ستہ پر مبنی صرف عجم اور عرب ہی کا نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کا عقیدہ ہے۔ یہ ائمہ حدیث کا عقیدہ تھا اس بنیاد پر ہم اسے عرب اور اسلامی دنیا کا عقیدہ اور برصغیر پاک و ہند کا عقیدہ بھی کہہ سکتے ہیں اور یہی عقیدہ عینِ اسلام ہے۔ لہٰذا کسی بھی شخص کے لئے حباً قیام کرنا اتباعِ مصطفیٰ ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہے۔

(۳) قیامِ فرحت

یہ قیام مسرت کے اظہار کے لئے ہے۔ اس کا محرک خوشی کے جذبات ہوتے ہیں۔ آپ کو جب کسی کے آنے کی خوشی ہوتی ہے تو آپ اس کا بے ساختہ اظہار کھڑے ہوکر کرتے ہیں۔ مثلاً:

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے مدینہ آئے جبکہ اسی وقت خیبر بھی فتح ہوا تھا تو انہیں دیکھ کر آقا علیہ السلام کے یہ جذبات تھے:

تَلَقَّاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَعَانَقَهُ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَقَالَ: مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَنَا أَسَرُّ بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَوْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ؟(١)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے آگے بڑھ کر ان سے معانقہ کیا اور اُن کی پیشانی پر (فرطِ مسرت سے) بوسہ دیا، اور فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں سے زیادہ خوشی مجھے کس بات پر ہوئی ہے فتحِ خیبر پر یا جعفر کے (حبشہ سے) آنے پر؟‘‘

(۴) قیامِ تعظیم

یہ قیامِ تعظیم کے لئے ہے جس سے احترام کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے امتی کا قیام نبی کے لئے، اولاد کا والدین کے لئے، مریدین کا شیخ کے لئے، شاگردوں کا استاد کے لئے اور چھوٹوں کا بڑوں کے لئے، یہ قیام کسی کی عزت و کرامت اور شرف و بزرگی کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے اور کسی کے تقدس و احترام کے پیشِ نظر بھی۔

قیامِ استقبال اور قیامِ تعظیم میں فرق

قیامِ استقبال اور قیامِ تعظیم میں تھوڑا سا فرق ہے۔ استقبال کسی کی پذیرائی کے لئے ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ اس کا محرک تعظیم ہو۔ اس کی مثال بارات میں آئے ہوئے مہمانوں کی پذیرائی ہے جن میں سے بہت سوں کو آپ جانتے بھی نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو ملنے والا کوئی نو وارد مہمان بھی ہوسکتا ہے جس کے استقبال کے لئے آپ محض رسماً کھڑے ہوجاتے ہیں جبکہ اس کے برعکس آپ اپنے استاذ اور شیخ کے لئے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ حضور نبی اکرم ﷺ کے ذکر اور مشائخ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۱۰۸، رقم: ۱۴۷۰

(۵) قیامِ اِکرامِ اِنسانی

پانچویں قسم کے قیام کو انسانی جسد کے اکرام سے تعبیر کیا جاتا ہے جو احترامِ انسانیت میں انسان کے بے جان جسم کے اکرام سے عبارت ہے یعنی مردہ انسان کی نعش کا احترام، اس سے انسانی رشتوں کے تقدس کا اظہار مقصود ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جنازے کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے خواہ وہ کسی غیر مسلم کا ہی ہوتا۔ آپ ﷺ کا یہ قیام جسدِ انسانی کے اکرام کی وجہ سے ہوتا۔ میت کا احترام اکرامِ انسانی کے زمرے میں آتا ہے جو کہ آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

۱۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوا حَتَّى تُخَلِّفَكُمْ(۱)

''جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو یہاں تک کہ وہ تمہارے پاس سے گزر جائے۔''

یہ قیام جس کا حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے جسدِ انسانی کے احترام کی وجہ سے ہے۔ اب اسی اکرامِ انسانی کے باب میں امام بخاری نے ''**کتاب الجنائز میں باب من قام لجنازة يهودي**'' قائم کیا ہے جو ایک یہودی کے جنازے سے متعلق ہے۔

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَرَّتْ بِنَا جَنَازَةٌ، فَقَامَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْنَا لَهُ.

''ایک جنازہ ہمارے سامنے سے گزرا تو حضور نبی اکرم ﷺ اس کے لئے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازة، ۱:۴۴۰، رقم: ۱۲۴۵

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۱:۶۳۵، رقم: ۲۰۴۲

کھڑے ہوگئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔‘‘

یہ عقیدے کی بات تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا عقیدہ درست کرنا چاہتے تھے۔ وہ یہ جاننے کے خواہش مند تھے کہ کسی مسلمان کے جنازے پر کھڑا ہونا تو سر آنکھوں پر لیکن کیا کسی یہودی کا جنازہ دیکھ کر بھی کھڑے ہونے کا حکم ہے؟ اس لئے انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ اطلاع بہم پہنچائی کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے شاید ان کے ذہن میں یہ خیال کارفرما ہو کہ یہودی کے جنازے پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں صحابہ کا مقامِ ادب ملاحظہ کریں کہ وہ جنازہ دیکھ کر بیٹھے نہیں رہے بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کو کھڑا ہوتے دیکھ کر فوراً کھڑے ہوگئے لیکن انہوں نے اپنے دل کی بات بتا دی اور عرض کیا:

يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ؟

’’یا رسول اللہ! یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی بات سن لی اور فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوا.(۱)

’’جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوا کرو۔‘‘

قطع نظر اس بات کے کہ یہودی ہے یا مسلمان جب کبھی کوئی جنازہ آتے دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہوجاؤ کیونکہ یہ قیام انسان کے مردہ جسم کا احترام ہے۔ جہاں تک فقط انسان ہونے کا تعلق ہے تو یہودی اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں، دونوں گوشت پوست کے جسم ہیں اور احترامِ آدمیت کے اعتبار سے دونوں کا مردہ جسم اکرام کا مستحق ہے۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازة يهودي، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۲۴۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۵۴

۳۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۴: ۲۶

اِن احادیث کو علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی ’’منتقی الأخبار‘‘ میں نقل کیا ہے۔ اس طرح کا قیام زیارتِ قبور کے حوالے سے بھی ثابت ہے۔ ان احادیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعے امت کو جنازے کے اکرام کے لئے کھڑے ہو جانے کی ترغیب فرمائی ہے۔ ان احادیث کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو قیام کے مطلقاً قائل نہیں انہیں سنتِ مصطفیٰ ﷺ سے کوئی ربط و تعلق نہیں کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آقا علیہ السلام نے نماز کے علاوہ بھی مختلف مواقع پر قیام فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے اس حد تک اخلاقیات کا درس دیا کہ کسی مردہ انسان کی لاش دیکھ کر قطع نظر اس کے کہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم ہمیشہ کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔

اگر کسی جنازے یا مردہ لاش کا احترام کرنا اس کا استحقاق ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اسے دیکھ کر کھڑا ہونے کا حکم دیتی ہے تو پھر میلاد پر آقائے دو جہاں ﷺ پر سلام بھیجنے کے لئے کھڑا ہونا اور آپ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے کھڑا ہونا اور آپ سے محبت کے اظہار کے لئے قیام کرنا کیونکر اور کیسے غلط اور غیر شرعی فعل ہوسکتا ہے؟

(۶) قیامِ ذکر

قیام کی صورتوں میں سے ایک قیامِ ذکر ہے۔ اس سے مراد کسی بھی دینی، تبلیغی یا روحانی و تربیتی مقصد کے لئے کھڑا ہونا ہے جیسے درس و تدریس کے لئے معلم کا کھڑا ہونا، خطبہ کے لئے عالم کا کھڑا ہونا اور قاری کا تلاوتِ قرآن کے لئے کھڑا ہونا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ۔(۱)

’’یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھتے اور

(۱) آل عمران، ۳:۱۹۱

(ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔‘‘

سلام محبوبِ خدا ﷺ کا ذکر ہے اور اللہ تعالی نے اپنے محبوب ﷺ کے ذکر کو اپنا ذکر قرار دیا ہے جیسا کہ محبوب ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، محبوب ﷺ کی رضا کو اپنی رضا، محبوب ﷺ کی ادا کو اپنی ادا، محبوب ﷺ کی نصرت کو اپنی نصرت، محبوب ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی، محبوب ﷺ کی ایذا کو اپنی ایذا اور محبوب ﷺ کی ناراضی کو اپنی ناراضی قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے اس لئے یہ دونوں ذکر ایک ساتھ ایک ہی حالت میں کرنا جائز ہیں۔ ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تو کھڑے ہو کر کرنا جائز ہو اور اس کے محبوب ﷺ کا ناجائز ہو۔ لہٰذا جس طرح بیٹھ کر ذکر یا درود وسلام جائز ہے اس طرح کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنا بھی جائز ہے۔

(۷) قیامِ صلوٰۃ وسلام

قیام کی متعدد صورتوں میں سے ایک قیامِ سلام ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر صلوٰۃ وسلام کھڑے ہو کر پیش کیا جاتا ہے تو یہ قیام متعدد درجاتِ قیام کا مجموعہ ہے۔ مثلاً قیام محبت، قیامِ فرحت، قیامِ تعظیم، قیامِ ذکر اور قیامِ صلوٰۃ وسلام۔ جب ہم محفلِ میلاد میں قیامِ سلام کو لیتے ہیں جس میں آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ میں سلام پڑھا جاتا ہے تو پھر قیام اور عدم قیام کی تمیز پر مبنی ساری بحث محض سعی لاحاصل ہے جس کا میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ قیام قیامِ استقبال ہے ہی نہیں۔ اس لئے ہم سرے سے اس بحث ہی کو لغو سمجھتے ہیں کہ استقبال کے لئے قیام کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اگر کوئی قیام کرنا چاہتا ہے تو کرے نہیں کرنا چاہتا تو نہ کرے۔ درحقیقت یہ قیامِ تعظیم ہوتا ہے بلکہ اس پر مستزاد قیامِ فرحت اور قیامِ محبت اس کا محرک ہے۔ قیام کی یہ تمام صورتیں بلا خوفِ تردید حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت پر مبنی ہیں اور اس پر کسی قسم کی اختلاف رائے یا تکرار کرنے کا کوئی محل نہیں۔ جہاں تک حضور نبی اکرم ﷺ پر کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا تعلق ہے تو

حضور ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں ادب و نیاز سے کھڑے ہو کر سلام پیش کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور نبی اکرم ﷺ نے سفرِ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَرَرْتُ عَلَى مُوْسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ۔[1]

''میں معراج کی شب سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں صلاۃ پڑھ رہے تھے۔''

صلاۃ کا معنی ...... درود و سلام

عام طور پر کتابوں میں اِن احادیثِ مبارکہ کا یہ ترجمہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو وہ اپنی قبرِ انور میں نماز ادا کر رہے تھے۔ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفرِ معراج کے اس مرحلے میں مترجمین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے لکھا ہے:

هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ۔

''(موسیٰ علیہ السلام) اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے یا وہ نماز ادا کرنے کیلئے

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام، ۴: ۱۸۴۵، رقم: ۲۳۷۵

۲۔ نسائی، السنن، کتاب قیام اللیل و تطوع النہار، باب ذکر صلاۃ نبی اللہ موسیٰ علیہ السلام، ۳: ۱۵۱، رقم: ۱۶۳۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۲۰، ۱۴۸

کھڑے ہو رہے تھے۔''

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالتِ قیام میں صلوٰۃ ادا کرنے سے راقم نے جو نتیجہ صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا اخذ و مستنبط کیا ہے وہ حدیث سے متعارض نہیں۔

یہاں صلوٰۃ کا معنی ''درود'' اخذ کرنے کا پسِ منظر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمیت دیگر تمام انبیاء بیت المقدس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو اس بات کا علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس رات سفرِ معراج شروع ہو چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں ان کی امامت فرمائیں گے اور یہ امامت **لیلۃ المعراج** کے اگلے مرحلے پر روانہ ہونے سے پہلے ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آسمان پر بھی ملاقات ہونا تھی اور یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام مقامِ قدس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے بھی تھے۔ پھر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر کسی دنیاوی سواری پر نہیں بلکہ برّاق پر تھا جس کی رفتار کا عقلِ انسانی اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ وہ برّاق آن واحد میں اتنی مسافت طے کر لیتا تھا جو روشنی کی رفتار سے بھی کئی گنا زیادہ تھی۔ یہ سب جانتے ہوئے کیونکر ممکن تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرے تو وہ محض نفلی نماز ادا کر رہے ہوں، اگر کوئی فرض نماز ہوتی تو یہ بات قرینِ فہم تھی کہ وہ نماز ادا کر رہے تھے لیکن وصال کے بعد کوئی فرض نماز نہیں ہوتی جو قبر میں ادا کی جائے۔ دنیاوی زندگی گزارنے کے بعد برزخی زندگی میں کوئی فرائض و واجبات نہیں رہتے۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام قبور میں جو اعمال بجا لاتے ہیں ان کی حیثیت نفلی عبادت کی ہوتی ہے جو ایک اضافی معاملہ ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی علم تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ حرام سے سفرِ معراج پر روانہ ہو رہے ہیں اور ان کا گزر اس طرف سے ہوگا۔ اس لیے یہ بات قابلِ فہم نہیں کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفرِ معراج کے مرحلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزر رہے ہوں اور وہ اس وقت نفل نماز ادا کرنے میں مصروف ہوں۔

چنانچہ مذکورہ بالا احادیث کا صحیح اور قرینِ قیاس مفہوم یہ ہوگا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وہاں سے گزرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیج رہے تھے۔ یہ مفہوم متنِ حدیث کے خلاف نہیں بلکہ موقع اور محل کی مناسبت سے اقرب ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے صحابہ کے تعظیماً قیام کا معمول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے تعظیماً کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَجْلِسِ يُحَدِّثُنَا، فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتَّى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ أَزْوَاجِهِ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ ہماری مجلس میں تشریف فرما ہو کر ہمارے ساتھ گفتگو فرمایا کرتے تھے پھر جب آپ اٹھتے تو ہم سب لوگ ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ ہم آپ ﷺ کو اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے گھر داخل ہوتا نہ دیکھ لیتے۔''

اس حدیث سے واضح ہے کہ حضور ﷺ جب گھر جانے کے ارادے سے اپنی جائے نشست سے اٹھتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کیلئے قیام کرتے۔ یہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ ایک دن یا دو دن کا معاملہ نہ تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی انہیں منع نہیں فرمایا۔

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب في الحلم و أخلاق النبي ﷺ، ۴: ۲۴۷، رقم: ۴۷۷۵

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۶۷، رقم: ۸۹۳۰

۳۔ بيهقي، المدخل إلى السنن الكبرى، ۱: ۴۰۱، رقم: ۷۱۷

نماز اللہ کے لیے اور اِقامت مصطفیٰ ﷺ کے لیے

آج تمام امت کا اقامتِ نماز کے وقت مسنون اور مستحب طریقہ کے مطابق حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةِ پر کھڑے ہونے کا معمول ہے، لیکن اس بات کو شاید ہی کوئی جانتا ہو کہ اس کا آغاز کب اور کیسے ہوا اور کس نے کیا؟ اقامت کے وقت یہ قیام فی الحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ کے اکرام و تعظیم کے لئے تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ جب وہ آقا علیہ السلام کو اقامتِ نماز کے لئے آتا دیکھتے تو ادباً و احتراماً کھڑے ہوجاتے ۔ اس طرح یہ قیام اقامت کے لیے نہیں بلکہ حضور ﷺ کے اکرام کے لیے ہوتا تھا جس سے درحقیقت یہ اطلاع دینا مقصود ہوتا تھا کہ حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام کی نماز اللہ کے لئے اور اقامت ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کیلئے ہوتی۔

لوگ کتبِ اَحادیث کا مطالعہ تو کرتے ہیں لیکن وہ اس نکتے کو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے جو امام مسلم اور ابوداؤد نے درجِ ذیل حدیث میں بیان کیا ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ تُقَامُ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔

’’بے شک نماز رسول اکرم ﷺ ہی کے تشریف لانے پر کھڑی کی جاتی تھی۔‘‘

صحیح مسلم کی اس حدیث کے منتخب الفاظ اور صحابہ کے کلام سے بالخصوص متذکرہ بالا نکتہ واضح ہو جاتا ہے۔ یہ اہم حدیث جسے ہم حدیثِ عشق بھی کہہ سکتے ہیں اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ادب و توقیر کی تعلیم مضمر ہے۔

آگے بیان کرتے ہیں کہ یہ ہماری اقامتِ نماز صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کے لئے ہوتی تھی۔ اس کی توجیہہ انھوں نے یہ بیان کی ہے:

فَيَأْخُذُ النَّاسُ مَصَافَّهُمْ. قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ النَّبِيُّ ﷺ مَقَامَهُ۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کے اپنی جگہ (مصلّٰی) پر قیام فرما ہونے سے پہلے ہی لوگ اپنی ’’جگہوں‘‘ پر کھڑے ہو جاتے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز کی اقامت اس لئے کہی جاتی تھی تاکہ لوگوں کو مطلع کیا جائے کہ وہ آپ ﷺ کی مصلّٰی پر آمد سے پیشتر ہی اپنی صفیں باندھ لیں اور اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہوجائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ لوگ نماز کے لئے صفیں بنا لیتے بلکہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی امامت کے لئے تشریف لانے اور مصلّٰی کو زینت بخشنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے استقبال و پذیرائی کے لئے صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قیام، قیامِ استقبال اور قیامِ تعظیمِ مصطفٰی ﷺ تھا، صرف نماز کے لیے نہ تھا۔

اس کی تائید ہمیں ایک اور صحیح حدیث سے بھی ملتی ہے۔ مؤذنِ رسول ﷺ اور عاشقِ مصطفٰی ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہنے کے بعد ایک جگہ اوٹ میں کھڑے آقا علیہ السلام کے حجرۂ مبارک کی طرف نظریں مرکوز کئے رہتے اور حضور ﷺ کے گھر سے باہر تشریف لانے کو دیکھتے رہتے۔ ادھر صحابہ کرام بھی صفیں آراستہ کئے انتظار کی حالت میں ہوتے کہ کب آپ ﷺ امامت کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے حجرۂ مبارک سے نکلنے سے پہلے ایک گوشے میں گوش بر آواز رہتے اور حجرے کے دروازے کا پردہ سرکنے کی آواز سنتے ہی اقامت کے لئے اگلی صف میں آ کر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے لگتے۔ اس سے صحابہ کرام جان لیتے کہ آقا علیہ السلام اپنے حجرہ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، ۱: ۴۲۳، رقم: ۶۰۵

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الصلاة، باب فى الصلاة تقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودًا، ۱: ۱۴۸، رقم: ۵۴۱

www.MinhajBooks.com

مبارک سے مسجد میں تشریف لے آئے ہیں اور وہ اپنی صفوں میں سراپا ادب و تعظیم بنے کھڑے ہوجاتے۔ یہ قیامِ تعظیم تھا جو ایک شعار اور سنت بن گیا۔

۲۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ إِذَا دَحَضَتْ. فَلَا يُقِيْمُ حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ ﷺ. فَإِذَا خَرَجَ أَقَامَ الصَّلَاةَ حِيْنَ يَرَاهُ۔(۱)

''جب نماز کا وقت ہوجاتا تو بلال اذان دیتے لیکن اس وقت تک اقامت نہ کہتے جب تک حضور نبی اکرم ﷺ (حجرہ سے) باہر تشریف نہ لے آتے۔ پس جس وقت آپ ﷺ باہر تشریف لاتے تو بلال آپ کو دیکھنے پر اقامت کہتے۔''

دراصل اقامت سے مراد صحابہ کو اطلاع دینا ہوتی تھی کہ حضور ﷺ گھر سے باہر تشریف لے آئے ہیں، ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ! آج بھی اقامت کے دوران کھڑے ہونا ان کے قیامِ استقبال و تعظیم کی سنت کی پیروی ہے۔ اس طرح دو قیام ہوتے تھے ایک قیام وہ جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آغازِ اقامت میں کرتے اور دوسرا وہ جو صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کرتے۔ قاضی عیاضؒ نے اپنی شرح میں قیام کی انہی دو قسموں کو اپنی گفتگو کی بنیاد بنایا ہے اور دونوں کے درمیان تقابل کرتے ہوئے خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

بِأَنَّ بِلَالًا رضی اللہ عنہ كَانَ يُرَاقِبُ خُرُوْجَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب متی یقوم الناس للصلاة، ۱: ۴۲۳، رقم: ۶۰۶

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الصلاة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإمامة، ۱: ۳۹۱، رقم: ۲۰۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۰۴، رقم: ۲۱۰۳۹

غَيْرُهُ أَوْ إِلَّا الْقَلِيْلُ. فَلَأَوَّلُ خُرُوْجِهِ أَقَامَ هُوَ: ثُمَّ لَا يَقُوْمُ النَّاسُ حَتَّى يَظْهَرَ لِلنَّاسِ وَيَرَوْهُ، ثُمَّ لَا يَقُوْمُ مَقَامَهُ حَتَّى يُعَدِّلُوا صُفُوْفَهُمْ(۱)

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک ایسی جگہ پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کا انتظار کرتے رہتے تھے جہاں انہیں کوئی اور نہ دیکھ سکتا یا چند لوگ دیکھ سکتے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باہر تشریف آوری کے ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے اور لوگ اس وقت تک کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے ظاہر نہ ہوجاتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہ لیتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ پر کھڑے نہ ہوتے تھے، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی صفوں کو سیدھا کر لیتے۔''

امام بدر الدین عینی اس حوالے سے فرماتے ہیں:

قُلْتُ وَجْهَ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا: أَنَّ بِلَالًا كَانَ يُرَاقِبُ خُرُوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ غَيْرُهُ أَوْ إِلَّا الْقَلِيْلُ. فَعِنْدَ أَوَّلِ خُرُوْجِهِ يُقِيْمُ، وَلَا يَقُوْمُ النَّاسُ حَتَّى يَرَوْهُ ثُمَّ لَا يَقُوْمُ مَقَامَهُ حَتَّى يُعَدَّلَ الصُّفُوْفَ(۲)

''میں کہتا ہوں کہ ان دو باتوں میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک ایسی جگہ پر کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کا انتظار کرتے تھے جہاں ان کو کوئی نہ دیکھ سکے یا چند لوگ دیکھ سکیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوّل مرتبہ نکلنے کے ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے اور لوگ اس وقت تک (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوتے جب تک کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ

(۱) قاضی عیاض، إکمال المعلم، کتاب المساجد، باب متی یقوم الناس للصلاۃ، ۲: ۵۵۶

(۲) عینی، عمدۃ القاری، ۵: ۱۵۴

نہ لیتے۔ پھر آپ ﷺ اپنے مصلیٰ پر کھڑے نہ ہونے پاتے یہاں تک کہ صفوں کو درست نہ کروا لیتے۔‘‘

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ اقامت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا قیام نماز کے لئے نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کو آتا دیکھ کر آپ ﷺ کی تعظیم بجا لانے کے لئے ہوتا تھا۔

محافلِ میلاد میں قیام، اِستقبال کے لیے نہیں، تعظیماً ہے

قیام کے موضوع پر یہ بحث بڑی صراحت سے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہم قیام کیوں اور کس لئے کرتے ہیں؟ ہم ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت معاذ اللہ لحہءِ موجود میں ہوئی ہے، اس لئے ہمیں قیام کرنا ہے یا یہ کہ حضور ﷺ اس مجلس میں تشریف لا رہے ہیں اور ہم آپ ﷺ کی آمد پر قیام کر رہے ہیں۔ یہ کسی صحیح العقیدہ مسلمان کا خیال نہیں ہوتا اور نہ ہمارا قیام استقبال کا مظہر ہے۔ نہ ہی یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جو حضرات محفلِ میلاد میں شرکت کے لئے آئے ہیں ان کے لئے قیام کرنا چاہئے۔ تاہم یہ بات ممکنات میں سے ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ روحانی طور پر محفلِ میلاد میں تشریف لائیں اور روحانی اعتبار سے ایسا آپ ﷺ کے لئے ناممکن نہیں۔ ایسا ہونا قطعاً خارج از امکان نہیں ہوتا بلکہ آپ ﷺ جہاں چاہیں روحانی طور پر تشریف لے جا سکتے ہیں۔ جسمانی طور پر اس لئے نہیں کہ آپ ﷺ کا جسمِ اقدس آپ ﷺ کے روضۂ پاک میں قبر انور کے اندر استراحت فرما رہا ہے۔ لیکن ملائکہ اور عالمِ ارواح کے کسی فرد کی طرح آپ ﷺ کسی جگہ اور کسی مقام پر روحانی طور پر آ جا سکتے ہیں۔

اگر کوئی آپ ﷺ کا خواب میں یا بیداری کی حالت میں دیدار کرتا ہے جیسا کہ متعدد اولیاء کرام کے بارے میں مذکور ہے تو وہ بلا شبہ ہوبہو آپ ﷺ ہی کی زیارت سے شاد کام ہو رہا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ جسمانی طور پر نظر آتے ہیں لیکن وہ الروح المتمثلہ کی ایک صورت گری ہے اور اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے جبرئیل امین یا ملک الموت کسی

کو بشری شکل میں دکھائی دے۔ اس حوالے سے کئی مثالیں قرآن و حدیث سے دی جاسکتی ہیں۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جسمانی صورت میں حاضر ہوئے:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا(۱)

’’تو ہم نے ان کی طرف اپنی روح (یعنی فرشتہ جبرئیل) کو بھیجا سو جبرئیل انکے سامنے مکمل بشری صورت میں ظاہر ہواo‘‘

بَشَرًا سَوِيًّا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک مکمل جیتے جاگتے انسان کی شکل میں سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس آئے اور یہ اس پیکرِ نوری کا اصل جسم نہیں بلکہ متمثل صورت تھی۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانی طور پر جسمانی صورت میں متمثل ہو کر کہیں بھی تشریف لے جا سکتے ہیں۔ یہ جمیع مسلمین اور اہلسنت کا کبھی عقیدہ نہیں رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ظاہری و جسمانی وجود کے ساتھ محفلِ میلاد میں جلوہ گری فرماتے ہیں اور اس بنا پر اہلِ محفل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری و جسمانی حالت میں آنے کا تصور کرتے ہوئے استقبال کے لئے قیام کرتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ غلط ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایسا کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا مگر شرکائے محفلِ میلاد صرف علامتی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے احترام میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پر قیام کرتے ہیں تو یہ محبت، فرحت اور خوشی کے اظہار میں کرتے ہیں۔ ہم اس گھڑی کو اپنے تصور و تخیل میں رکھتے ہوئے محبت اور فرحت کا اظہار کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیائے آب و گل میں تشریف لائے۔

(۱) مریم، ۱۹: ۱۷

الغرض میلاد میں قیام، ذکرِ حبیب ﷺ کے ادب اور ولادتِ پاک کو یاد کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ بیشک حضور ﷺ کی ولادت باسعادت اس قدر مہتم بالشان اور عظمتِ بے مثال کی حامل ہے کہ اس کا ذکر بھی بہت فضیلت کا درجہ رکھتا ہے اور اس لمحہ عظیم کی تعظیم اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم کھڑے ہوکر آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر سلام پیش کریں، آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کی تحسین کریں اور ذکرِ حبیب ﷺ میں نہایت درجہ ادب و تعظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے محبت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جائیں۔

خلاصہ بحث

قیام کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ذات کے لیے قیام اس کے مرتبہ کے لحاظ سے جائز ہے چنانچہ اگر کوئی شاگرد اپنے استاد کیلئے ادباً اور تعظیماً کھڑا ہوتا ہے، کوئی میزبان مہمان کے استقبال کیلئے کھڑا ہوتا ہے، کوئی شیخ مرید کے لیے محبت رکھتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے اور کوئی بیٹا باپ کیلئے ادباً کھڑا ہوتا ہے تو یہ تمام صورتیں جائز ہوں گی۔ ان میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں پائی جاتی لہٰذا اگر ان تمام ذاتوں کیلئے ادباً، تعظیماً، اکراماً اور فرحۃً کھڑا ہونا جائز ہے تو تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے بدرجہ اولیٰ جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

ممانعتِ قیام کے اَسباب

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جہاں قیام کرنے سے منع کا تعلق ہے وہ بنیادی طور پر دو اسباب کے باعث ہے:

۱۔ زمانۂ قدیم میں ایران کے عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور فرماں رواؤں کے سامنے حالتِ قیام میں جھک کر اجتماعی طور پر تعظیم بجا لاتے تھے جو سراسر اسلامی تعلیم و آداب کے خلاف تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس انداز کے قیام سے منع فرمایا جو وہ اختیار کئے ہوئے تھے۔

۲۔ ایسا قیام جس کی کوئی شخص اپنے اندر طلب رکھے وہ دوسروں سے اس امر کی خواہش اور توقع رکھے کہ اس کے آنے پر لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں۔ حدیثِ مبارکہ میں اس خواہش اور توقع کی مذمت کی گئی ہے پس اس بنا پر شریعتِ اسلامی نے اس قسم کے قیام سے منع کیا اور حرام قرار دیا ہے۔ ممانعتِ قیام پر وارد ہونے والی احادیث میں ایسے قیام کی ہی ممانعت کی گئی ہے۔

امام بخاری نے بھی اس مضمون پر مشتمل حدیث بیان کی ہے جس میں اس حوالے سے امتناعِ قیام کا ذکر کیا گیا ہے اور کسی مجلس میں آنے والے کی ایسی خواہش کی تنقیص کرتے ہوئے اسے جہنم کی خواہش قرار دیا گیا ہے۔ اس کے لئے عاجزی اور تواضع اختیار کرنے کا حکم ہے البتہ جو لوگ کسی کی آمد کے منتظر ہوں ان کے لئے حکم ہے کہ وہ اس کے استقبال کیلئے کھڑے ہو جائیں کہ یہ ادب و تعظیم کا تقاضا ہے لیکن اگر اس شخص کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگے کہ دوسرے اس کی آمد پر کھڑے ہو جائیں، اس کو اس خواہش پر ہدفِ مذمت بنایا جائے کہ اس رویے سے تکبر و رعونت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کو اس قسم کی خواہش سے گریز کرنا چاہئے۔ اس امتناعِ قیام کو اخلاقی تربیت اور اسلامی تعلیم کے ایک حصے کے طور پر لیا جائے تاکہ لوگوں کے اندر تواضع و انکساری پیدا ہو۔ اگر کوئی شخص مجلس میں آتا ہے اور اس کی آمد پر لوگ کھڑے نہیں ہوتے تو اسے ناراض اور غضبناک نہیں ہونا چاہئے کہ ایسی خواہش اور توقع اسلامی آداب و اخلاق کے منافی ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ ایک بالکل مختلف نوعیت کا موضوع ہے جس کا قیامِ سلام اور قیامِ میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔

اِباحتِ قیام کے اَسباب

اگر کسی محفل میں کوئی عظیم شخصیت اور عالم و فاضل شیخ یا روحانی اور علمی مقام رکھنے والا بزرگ داخل ہوتا ہے تو اس کی آمد پر مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس کے

ادب و تعظیم کیلئے کھڑا ہونے کا حکم ہے۔ یہ ادب اس کے لئے لوگوں کی محبت، چاہت اور اپنائیت کا مظہر بھی ہے اور علم و تقویٰ کا احترام بھی۔ لہٰذا اسلامی آداب کی دو مختلف جہتیں ہیں۔ اگر بعض لوگ امتناعِ قیام کو اس پیرائے میں لیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قیام کرنے سے مطلقاً منع فرمایا ہے تو وہ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں صریحاً غلطی کر رہے ہیں۔ اگر اس اطلاق کو تسلیم کر لیا جائے تو درجنوں احادیث سے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے معمولات کے بارے میں ہیں اور آثارِ صحابہ سے ہیں بیک جنبش ان کا انکار لازم ٹھہرے گا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ قیام کی ان دونوں صورتوں میں مابہ الامتیاز پہلو کو سمجھا جائے کہ اِمتناعِ قیام کے حکم کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔

فصل چہارُم

تعظیم بالتقبیل

www.MinhajBooks.com

ہم اگر معلمِ اعظم حضور نبی اکرم ﷺ کے براہِ راست فیض یافتگان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اَدباً اور تعظیماً حضور ﷺ کے دستِ اقدس، پاؤں مبارک، جسمِ اقدس حتی کہ آپ ﷺ کے ساتھ نسبت اور تعلق رکھنے والے کسی فرد اور چیز تک کو بوسہ دیتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس عمل کو خلافِ توحید نہ سمجھا اور نہ ان میں سے کسی نے اس کو شرک و بدعت قرار دیا۔ تقبیل کی حقیقت سے آگاہی کے لئے سب سے پہلے ہم اس کا لغوی اور شرعی معنی ومفہوم واضح کریں گے۔

تقبیل کا لغوی معنی ومفہوم

لفظِ ''تقبیل'' ق، ب، ل سے مشتق ہے۔ قَبَلَ یَقْبُلُ قَبْلًا کا معنی ہے: آنا۔

قَابَلَ کا معنی ہے: کسی کے آمنے سامنے ہونا، ملاقات کرنا۔

جبکہ قَبَّلَ یُقَبِّلُ تَقْبِیْلًا کا معنی ہے: چومنا، بوسہ دینا۔[1]

لغتِ عرب کی خصوصیت کی بنیاد پر (ق ۔ ب ۔ ل) سے مشتقات کے معانی بھی صیغوں اور متعلقات کی تبدیلی سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ بعض ابواب میں اس کے اندر توجہ، میلان، جھکاؤ اور اظہار پسندیدگی وقبولیت کے معانی بھی پائے جاتے ہیں۔

مثلاً القبلۃ کا معنی ہے: نماز کے لئے سمت توجہ، جب کہ مَقْبُول کا معنی ہے: قابلِ قبول اور پسندیدہ۔[2]

---

(۱) ۱۔ جوھری، الصحاح، ۲: ۲۷۴

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۵۴۴

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۵۴۴

پس تعظیم بالتقبیل میں بھی کسی بابرکت ہستی یا متبرک چیز کے ساتھ محبت اور پسندیدگی شامل ہوتی ہے۔

تقبیل کا شرعی معنی و مفہوم

اسلامی معاشرتی آداب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنے بڑوں، بزرگوں، اولیاء اللہ اور صلحائے اُمت کے ہاتھ اور پاؤں کو حصولِ فیض کے لیے بوسہ دیا جائے۔ بعض لوگ اس عمل پر شرک کا فتویٰ لگانے سے گریز نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ نہ تو انہیں فہمِ دین حاصل ہے اور نہ ہی وہ حکمت و مصلحتِ دین سے شناسا ہیں۔ عربی زبان میں معمولی شُدبُد حاصل کر کے ''ہمہ دانی'' کا دعویٰ کرنا، لوگوں کو گمراہ کرنا اور ان کی لاعلمی سے فائدہ اُٹھانا ان کا شیوہ بن چکا ہے۔ اس لئے جب وہ کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے شیخ، قائد یا بزرگ کے ہاتھوں کا بوسہ لے رہے ہیں، اس کی تکریم و تعظیم کر رہے ہیں تو وہ بلا سوچے سمجھے اِس پر بدعت اور خلافِ سنت عمل کا فتوی صادر کر دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور قدمین شریفین کا بوسہ لیا کرتے تھے۔

ذیل میں احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں صفِ اوّل کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات سے تعظیم بالتقبیل کی چند مثالیں دی جا رہی ہیں:

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن ابولیلیٰ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَدَنَوْنَا يَعْنِي مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَبَّلْنَا يَدَهُ (۱)

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب فی قبلة الید، ۴: ۳۵۶، رقم: ۵۲۲۳

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷: ۱۰۱، رقم: ۱۳۳۶۲

۳۔ أیضاً، شعب الإیمان، ۶: ۴۷۶، رقم: ۸۹۶۵

’’ہم نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئے اور ہم نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو بوسہ دیا۔‘‘

۲۔ ہود العبدی کے دادا مزیدہ العبدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک روز صحابہ کے درمیان بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس اس راستے سے (ابھی) اہلِ مشرق میں سے بہترین سوار آئیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے اسی راستے میں ان کی تلاش شروع کر دی تو انہیں تیرہ سوار ملے، آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے قریب ہوکر پوچھا: آپ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: عبدِ آلاف کی قوم سے، آپ نے پوچھا: کیا تم یہاں تجارت کی غرض سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے کہا: تم اپنی یہ تلواریں بیچنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے کہا: شاید تم پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تلاش میں آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، تو آپ ان سے باتیں کرتے ہوئے ان کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھ کر ان لوگوں سے کہا:

هَذَا صَاحِبُكُمُ الَّذِي تَطْلُبُونَ.

’’یہ ہیں آقا تمہارے جن کی تمہیں تلاش ہے۔‘‘

آگے روایت کے الفاظ ہیں:

فَرَمَى الْقَوْمُ بِأَنْفُسِهِم عَنْ رِحَالِهِم، فَمِنْهُم مَنْ سَعَى سَعْيًا، وَمِنْهُم مَنْ هَرْوَلَ، وَمِنْهُم مَنْ مَشَى، حَتَّى أَتَوا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَأَخَذُوا بِيَدِهِ يُقَبِّلُونَهَا وَقَعَدُوا إِلَيْهِ، وَبَقِيَ الْأَشَجُّ، وَهُوَ أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَأَنَاخَ الْإِبِلَ وَعَقَلَهَا وَجَمَعَ مَتَاعَ الْقَوْمِ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَمْشِي عَلَى تُؤَدَةٍ حَتَّى

أَتَی رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَأَخَذَ بِیَدِهٖ فَقَبَّلَهَا۔[1]

''پس وہ سواریوں سے فوراً کود پڑے۔ کسی نے دوڑ لگائی اور کوئی پیدل چلا یہاں تک کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچ گئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو بوسے دینا شروع کر دیئے اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، صرف ان کے پیچھے اشج رہ گیا جو وفد میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے اونٹوں کو بٹھا کر باندھ دیا اور وفد کا تمام مال و متاع جمع کر دیا پھر وہ معمول کی چال چلتے ہوئے آپ ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔''

۳۔ اُمِّ ابان بنتِ وازع بن زارع اپنے دادا زارع بن عامر جو وفدِ عبدالقیس کے ساتھ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے، ان سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا، فَنُقَبِّلُ یَدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَرِجْلَهُ۔[2]

''جب ہم مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو تیزی سے اپنی سواریوں سے اتر کر حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس اور پاؤں مبارک کو چومنے لگے۔''

---

(۱) ۱۔ أبو یعلی، المسند، ۱۲: ۲۴۶، رقم: ۶۸۵۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۳۴۵، رقم: ۸۱۲
۳۔ مقری، الرخصة فی تقبیل الید، ۱: ۶۶، رقم: ۶

(۲) ۱۔ أبوداود السنن، کتاب الأدب، باب قبلة الجسد، ۴: ۳۵۷، رقم: ۵۲۲۵
۲۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۹، رقم: ۹۷۵
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۲۷۵، رقم: ۵۳۱۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں کو بوسہ دیتے ہوئے کیا انداز اختیار کیا ہوگا؟ جلسہ، قعود یا قیام؟ تاکہ ان کا یہ عمل سجدہ سے مشابہ ہوکر شرک کے زمرے میں نہ آئے سنن ابوداؤد کی اس صحیح روایت کی کیا تعبیر کریں گے؟ کیا مذکورہ صحابہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ ایسا کہنا ان پر بہتان طرازی ہوگا۔ لہٰذا اس حدیثِ مبارکہ کی درست تعبیر یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب سمجھتے تھے، یہ ان کا اظہارِ عقیدت و محبت تھا کہ ادب و تعظیمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ ہر جائز طریقہ اور انداز اپناتے تھے۔

۴۔ امام بخاری نے ''الأدب المفرد'' میں باب تقبيل الرجل قائم کیا یعنی ''پاؤں کو بوسہ دینے کا بیان'' اس حدیث کو حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

قَدِمْنَا فَقِيْلَ: ذَاكَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

''ہم مدینہ حاضر ہوئے تو (ہمیں) کہا گیا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔''

آگے حدیث کے الفاظ ہیں:

فَأَخَذْنَا بِيَدَيْهِ وَ رِجْلَيْهِ نُقَبِّلُهَا (۱)

''پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور قدموں سے لپٹ گئے اور انہیں بوسہ دینے لگے۔''

یہ الفاظ خاص مفہوم کے حامل ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے صرف ہاتھ مبارک پکڑنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ہاتھوں کے علاوہ پاؤں مبارک کو بھی بوسہ دینے کا عمل جاری رکھا درآنحالیکہ ہم نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک پکڑ رکھے تھے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس امر کی اجازت نہ دی ہوگی؟ ان کو اس عمل سے نہ روکنا اور سکوت فرمانا

(۱) بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۹، رقم: ۹۷۵

آپ ﷺ کی طرف سے اس کی اجازت تھی۔

۵۔ امام ترمذی نے اس مضمون پر ایک حدیث حضرت صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قومِ یہود کے بعض افراد حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کرنے کے بعد اعلانیہ گواہی دی کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں:

فَقَبَّلُوْا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ. فَقَالَا: نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ ـ(۱)

''انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا، اور کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ نبی ہیں۔''

یہاں کوئی متعصب ہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ یہ تو ایک یہودی کا فعل تھا اور ہم اسے کس طرح لازمی شہادت کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اس سوچ پر ہم سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتے ہیں کہ معترض کو یہودی کا عمل تو نظر آ گیا مگر جس کے ساتھ کیا جا رہا ہے وہ بابرکت ہستی نظر نہیں آئی۔ حضور علیہ السلام نے یہود کو تقبیل سے منع نہیں فرمایا تو یہ آپ ﷺ کی سنتِ تقریری ہوا۔

تقبیل ہے ہی مخلوق کے لیے

تقبیل کے لغوی اور شرعی معنی و مفہوم کی بحث پر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ تقبیل ایک ایسا عمل ہے جس کا اطلاق بہر طور مخلوق پر ہوتا

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الاستئذان والآداب، باب فی قبلة الید والرجل، ۵: ۷۷، رقم: ۲۷۳۳

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأدب، باب الرجل یقبّل ید الرجل، ۲: ۱۲۲۱، رقم: ۳۷۰۵

۳۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۸: ۲۹، رقم: ۱۸

www.MinhajBooks.com

ہے۔ اس کے لغوی مفہوم میں تقابل یعنی آمنا سامنا ہونا۔ چھونا۔ محسوس کرنا اور اثر کے معانی پائے جاتے ہیں، اور یہ سب چیزیں مخلوق کے لئے تو جائز ہیں مگر خالقِ کائنات اللہ جلّ مجدہ ہماری محسوسات، توجہات اور تقابل وغیرہ سے پاک ہے۔ پس وہ عمل جو فقط مخلوق کے لئے ہو اور مخلوق ہی پر اس کا اطلاق کیا جائے تو یہ ہرگز شرک نہیں ہوسکتا۔ تعظیم بالتقبیل پر شرک کا اطلاق تب ہوتا جب یہ خالق کا حق ہوتا۔

تقبیل کی جملہ اقسام بھی مخلوق کے لئے ہیں جس کی وضاحت سطورِ ذیل میں ملاحظہ کریں:

اَقسامِ تقبیل

احادیثِ مبارکہ، صحابہ کرام، تابعین اور صالحین کے احوال کا مطالعہ کرنے سے تقبیل کی درج ذیل اقسام سامنے آتی ہے۔

ا۔ تقبیلِ عبادت

حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا حجرِ اسود کو بوسہ دینا عبادت کے زمرے میں شامل ہے کیونکہ یہ مناسکِ حج اور افعالِ عمرہ میں سے ہے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج پر آئے، طواف کیا اور حجرِ اسود کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ اس سے فرمانے لگے:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ ۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما ذکر في الحجر الأسود، ۲:۵۷۹، رقم: ۱۵۲۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر الأسود في الطواف، ۲:۹۲۵، رقم: ۱۲۷۰

←

''میں جانتا ہوں بیشک تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

یہ کلمات ادا کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ (۱)

۲۔ تقبیلِ تبرک

حضور نبی اکرم ﷺ، اہلِ بیتِ اطہار، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء و صالحین کے ہاتھوں اور اُن سے منسوب اشیاء کو حصولِ برکت کے لئے بوسہ دینا بھی احادیث اور آثار و احوال سے ثابت ہے۔

۱۔ اُسید بن حضیر سے روایت ہے کہ انصار کا ایک آدمی ایک مجلس میں لوگوں سے مزاح کرکے ان کو ہنسا رہا تھا تو اس دوران حضور نبی اکرم ﷺ نے (پیار سے) اس کے پیٹ میں لکڑی چبھوئی تو اس نے عرض کیا:

أَصْبِرْنِی، فَقَالَ: اصْطَبِرْ، قَالَ: اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ، فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ قَمِيْصِهِ فَاحْتَضَنَهُ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهُ، قَالَ: إِنَّمَا أَرَدْتُ هَذَا يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ (۲)

''مجھے اس کا بدلہ دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم بدلہ لے لو، اس شخص نے کہا:

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب المناسك، باب استلام الحجر، ۲: ۹۸۱، رقم: ۲۹۴۳

۴۔ نسائی، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۰۰، رقم: ۳۹۱۸

(۱) حاكم، المستدرك، ۱: ۶۲۸، رقم: ۱۶۸۲

(۲) أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب فی قبلة الجسد، ۴: ۳۵۶، رقم: ۵۲۲۴

آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر قمیص ہے جبکہ میرے جسم پر قمیص نہیں تھی۔ پس آپ ﷺ نے اپنی قمیص کو اوپر اٹھایا تو وہ آدمی آپ ﷺ سے لپٹ گیا اور آپ ﷺ کے پیٹ مبارک کو بوسہ دینے لگا اور عرض گزار ہوا کہ میرا ارادہ تو فقط یہی تھا۔‘‘

اسی طرح جنگِ بدر کے موقع پر حضرت سواد بن غزیہ نے آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کو اس خواہش کے پیشِ نظر بوسہ دیا تھا کہ اگر وہ جنگ میں شہید ہو تو ان کا آخری عمل یہ ہو کہ ان کا جسم حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر سے مس ہو۔[۱]

بعض دیگر صحابہ سے بھی اس طرح کا واقعہ منسوب ہے۔ امام ابنِ حجر عسقلانی اس روایت کے بعد فرماتے ہیں کہ **قُلْتُ لا یمتنع التعدد**(میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کے متعدد واقعات ہونا ناممکن نہیں۔)

کتبِ احادیث میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ واقعہ منسوب ہے۔

۲۔ عبد الرحمٰن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم ربذۃ کے مقام سے گزرے تو ہم سے کہا گیا کہ یہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہے۔ پس میں ان کے پاس آیا تو ہم نے ان کو سلام کیا۔ سو انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر کہا:

بَایَعْتُ بِهَاتَیْنِ نَبِیَّ اللهِ ﷺ فَأَخْرَجَ کَفًّا لَهُ ضَخْمَةً کَأَنَّهَا کَفُّ بَعِیْرٍ، فَقُمْنَا اِلَیْهَا فَقَبَّلْنَاهَا[۲]

’’میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے تو

(۱) ۱۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۳: ۲۱۸

۲۔ ابن کثیر، البدایة و النهایة، ۳: ۲۷۱

(۲) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد، باب تقبیل الید، ۱: ۳۳۸، رقم: ۹۷۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۵۴

انہوں نے اپنی بھاری بھرکم ہتھیلی نکالی گویا کہ وہ اونٹنی کی ہتھیلی کی مانند تھی پس ہم اس کی طرف بڑھے اور ان کی ہتھیلی کو بوسہ دیا۔‘‘

۳۔ ایک دفعہ حضرت ثابت نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

أَمَسَسْتَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِيَدِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ! فَقَبَّلَهَا۔(۱)

’’کیا آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے مَس کیا ہے تو انہوں نے کہا: ہاں! پس ثابت نے ان کے ہاتھ کو چوما۔‘‘

۴۔ یحییٰ بن ذماری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ملا میں نے ان سے کہا:

بَايَعْتَ بِيَدِكَ هَذِهِ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: أَعْطِنِي يَدَكَ أُقَبِّلُهَا فَأَعْطَانِيْهَا فَقَبَّلْتُهَا۔(۲)

’’آپ نے اس ہاتھ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! تو میں نے کہا: اپنا ہاتھ میری طرف کریں کہ میں اسے بوسہ دوں۔ پس انہوں نے اس کو میری طرف کیا تو میں نے اسے بوسہ دیا۔‘‘

۵۔ صاحب الصحیح امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا:

دعني حتى أقبّل رجليك، يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدّثين وطبيب الحديث في علله۔(۳)

---

(۱) بخاری، الأدب المفرد، باب تقبيل اليد، ۱: ۳۳۸، رقم: ۹۷۴

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۲: ۹۴، رقم: ۲۲۶

۲۔ هيثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۴۲

(۳) ابن نقطه، التقييد لمعرفة رواة السنن والمسانيد، ۱: ۳۳

’’اے استاذوں کے استاذ، سید المحدّثین اور عللِ حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔‘‘

نوٹ: اس موضوع پر مفصل مطالعہ کے لیے راقم کی کتاب ’’تبرک کی شرعی حیثیت‘‘ کا مطالعہ فرمائیں۔

۳۔ تقبیلِ محبت و فرحت

کسی بابرکت ہستی کو محبت و فرحت سے چومنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کیفیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق مقامِ سُنح پر واقع اپنے گھر سے گھوڑے پر آئے تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد (شدتِ غم سے) انہوں نے کسی سے کلام نہ کیا یہاں تک کہ حضرت عائشہ کے حجرہ میں داخل ہوئے اور

فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرْدِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت، ۱: ۴۱۸، رقم: ۱۱۸۴

۲۔ أیضا، کتاب المغازی، باب مرض النبي ﷺ و وفاته، ۴: ۱۶۱۸، رقم: ۴۱۸۷

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب تقبیل المیت، ۴: ۱۱، رقم: ۱۸۴۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۷

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۵۸۸، رقم: ۶۶۲۰

’’وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے تھے جو یمنی چادر میں لپٹے ہوئے تھے، پس انہوں نے آپ ﷺ کا چہرہ انور کھولا پھر جھک کر بوسہ لیا اور رو پڑے۔‘‘

۲۔ امام اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ المعروف السُّدِّی تابعی (متوفی ۱۲۷ھ) آیتِ مبارکہ۔ ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾(۱) (اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بری لگیں)) ۔ کے تحت بیان کرتے ہیں:

غضب رسول الله ﷺ يوماً من الأيام فقام خطيباً، فقال: سلوني فإنكم لا تسئلوني عن شيء إلا أنبأتكم به. فقام إليه رجل من بني قريش من بني سهم، يقال له: عبدالله بن حذافة وكان يطعن فيه. قال فقال: يارسول الله، من أبي؟ قال: أبوك فلان، فدعاه لأبيه. فقام إليه عمر، فقبّل رجله وقال: يارسول الله، رضينا بالله رباً، وبك نبياً وبالإسلام ديناً، وبالقرآن إماماً، عفا الله عنك فلم يزل به حتى رضي۔(۲)

---

(۱) المائدة، ۵: ۱۰۱

(۲) ۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۷: ۸۱
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۱۰۶
۳۔ عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۱۳: ۲۷۰ (امام عسقلانی نے اس مختصراً روایت کیا ہے۔)
۴۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۳: ۲۰۵

حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک روز جلال میں آ کر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے پوچھو، میں تمہیں یہیں کھڑے کھڑے اس کی خبر دوں گا۔ بنو قریش کے قبیلہ بنوسہم کا ایک شخص کھڑا ہوا، اس کا نام عبداللہ بن حذافہ تھا جس کے نسب میں طعن کیا جاتا تھا۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فلاں تیرا باپ ہے، پس آپ ﷺ نے اسے اس کا باپ بتلایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوکر آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اللہ کے رب ہونے، آپ کے نبی ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی ہیں، اللہ آپ کو سلامت (اور باعزت و عافیت) رکھے، پس وہ اسی طرح کہتے رہے یہاں تک کہ حضور علیہ السلام راضی ہوگئے۔‘‘

۳۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أنه لما نزل عذره أتی النبيّ ﷺ فأخذ بیده فقبّلها۔(۱)

’’جب ان کے عذر پر آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو انہوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر (فرحت سے) آپ ﷺ کے دستِ اقدس کا بوسہ لینا شروع کر دیا۔‘‘

۴۔ تقبیلِ مودّت و رحمت

بعض اوقات مودّت و رحمت کے باعث بھی بوسہ لیا جاتا ہے، یہ بھی احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ سدوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۹۵، رقم: ۱۸۶

۲۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۴۲

خرج النبي ﷺ في طائفة النهار لا يُكَلِّمُني ولا أكلّمه حتى أتى سُوقَ بني قينُقاع فجلس بِفِناء بيت فاطمة، فقال: أَثَمَّ لُكَعُ، أَثَمَّ لُكَعُ، فحَسَبَتْه شيئاً فظننتُ أنها تُلبِسُه سِخاباً أو تُغَسِّلُه. فجاء يَشْتَدُّ حتى عانقه وقبّله. وقال: اَللّٰهُمَّ أَحْبِبْهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ (ایک روز) دن کے حصہ میں باہر تشریف لائے تو نہ آپ ﷺ نے مجھ سے گفتگو فرمائی اور نہ میں نے آپ ﷺ سے کوئی بات عرض کی یہاں تک کہ آپ ﷺ بنو قینُقاع کے بازار آئے تو سیدہ فاطمہ کے گھر کی دہلیز پر تشریف رکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بچہ ہے؟ تو سیدہ فاطمہ نے بچے (امام حسن یا امام حسین) کو روکے رکھا، میں نے خیال کیا کہ وہ اسے کوئی ہار پہنا رہی ہیں یا نہلا رہی ہیں۔ پھر وہ دوڑتا ہوا آیا تو آپ ﷺ نے اُسے سینے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔ پھر دعا کی: اے اللہ! تُو اس سے اور اس سے محبت کرنے والے سے، محبت فرما۔''

۲۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

أَبْشِرِي يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّ اللهَ قَدْ أَنْزَلَ عُذْرَكِ وَ قَرَأَ عَلَيْهَا الْقُرْآنَ، فَقَالَ أَبَوَایَ: قُوْمِی فَقَبِّلِي رَأْسَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، باب ما ذکر فی الأسواق، ۲:۷۴۷، رقم: ۲۰۱۲

۲۔ أیضاً، الأدب المفرد، ۱: ۳۹۴، رقم: ۱۱۵۲

(۲) أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی قبلة الرجل ولده، ۴: ۳۵۵، رقم:۵۲۱۹

’’اے عائشہ! تجھے خوشخبری ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تیرے عُذر کے بارے میں حکم نازل کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں تو میرے والدین نے مجھے کہا: کھڑی ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کے سرِ اقدس کا بوسہ لے۔‘‘

۳۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے وصال کا واقعہ مروی ہے کہ:

أن رسول اللهﷺ دخل علی عثمان بن مظعون وهو ميت فأكبّ عليه فقبّله ثم بكی حتی رأيت الدموع يسيل علی وجنتيه(۱)

’’یقیناً حضور نبی اکرم ﷺ عثمان بن مظعون کی میت کے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جھک کر (رحمت سے) اُن کا بوسہ لیا پھر رو دیئے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے مبارک رخساروں پر آنسو بہتے ہوئے دیکھے۔‘‘

۵۔ تقبیلِ حرام

جس طرح تقبیل کے جواز کی کئی اقسام ہیں اسی طرح تقبیل کی بعض صورتیں حرام ہیں جن سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۱۔ شاہانِ وقت یا متکبرین کے ہاتھ، پاؤں یا اُن کے سامنے زمین کو چومنا۔

۲۔ اجنبی اور غیر محرم خواتین کے ہاتھ کو چومنا۔

---

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۳: ۵۹۶، رقم: ۶۷۷۵

۲۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۳: ۵۷، رقم: ۱۲۰۶۷

۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۵۲۶

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۴۰۷، رقم: ۶۵۰۳

۳۔ غرور، تکبر اور شہوتِ خفی کے باعث کسی کو بوسہ دینا۔

تعظیم بالتقبیل ہرگز منافیٔ توحید نہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ بعض لوگ اس طرح کے جائز اُمور کو بھی بزعمِ خویش خلافِ توحید سمجھتے ہیں۔ وہ اس قسم کے معمولات کو شخصیت پرستی سے تعبیر کرتے اور اسے توحید کے منافی قرار دیتے ہوئے انہیں شرک اور بدعت تصور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے۔ وہ صحابہ کو ایسے اُمور کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ یہ ان کا محض خیال اور گمانِ باطل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے شک حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہ کرام کے پاکیزہ جذبات اور عقیدت کو کبھی رد نہیں فرمایا۔

متذکرہ بالا احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس عقیدت و محبت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منسوب چیزوں کا بوسہ لیتے تھے وہ فقط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، تعظیم اور احترام کی خاطر ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی منع نہ فرمایا پس یہ آپ کی سنتِ تقریری قرار پائی۔ یہ تمام احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ آج بھی اگر کوئی مرید، شاگرد یا سالک اپنے شیخ، مربی اور مرشد کے ہاتھ، پاؤں اور اس سے منسوب چیزوں کا بوسہ لے تو وہ شرک نہیں ہوگا بلکہ عین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ تقریری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنتِ فعلی کی اتباع ہوگی۔ اگر یہ کوئی ممانعت کی چیز ہوتی یا اس میں کوئی شرک کا شائبہ پایا جاتا تو تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی اس طرح کے عمل کو بجا لانے کی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور غیر مسلم یہودیوں کو اجازت نہ دیتے۔

فصل پنجم

تعظیم بخلع النعال

﴿تعظیماً جوتے اُتار دینے کا بیان﴾

www.MinhajBooks.com

شرعی تعظیم کے باب میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسلمان بعض قابلِ احترام جگہوں پر جوتے اُتار دیتے ہیں۔ ان مقامات میں سرِ فہرست مساجد ہیں، اسی طرح مزاراتِ اولیاء کے احاطے میں بھی جوتے اتار کر حاضری اہلِ ایمان کا معمول ہے۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی قبور کے اُوپر بھی جوتوں سمیت چلنا منع فرمایا ہے۔ ان مقامات پر احتراماً جوتے اتارنے کے اس عمل کو ہم تعظیم بخلع النعال سے تعبیر کرتے ہیں جس کا ثبوت قرآن حکیم میں بھی موجود ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو مقدس وادیٔ سینا میں جوتے اُتارنے کا حکم

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مقدس وادیٔ سینا میں جوتے اتارنے کا جو حکم دیا گیا تھا وہ بھی تعظیم کے لئے تھا۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ج اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ○(۱)

’’بے شک میں ہی تمہارا رب ہوں سو تم اپنے جوتے اتار دو، بیشک تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو○‘‘

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے مختلف آراء بیان کی ہیں۔ راجع قول یہی ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نعلین اُتارنے کا حکم اس مقدس وادی کی تعظیم میں دیا گیا جسے **بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی** سے موسوم کیا گیا ہے۔

۱۔ امام قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واختلف العلماء فی السبب الذي من أجله أمر بخلع النعلين(۱)

---

(۱) طٰہٰ، ۲۰: ۱۲

www.MinhajBooks.com

''علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کیا وجہ تھی جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نعلین اتارنے کا حکم دیا۔''

اس حوالے سے آگے لکھتے ہیں:

وقيل: أمر بخلع النعلين للخشوع والتواضع عند مناجاة الله تعالى وكذلك فعل السلف حين طافوا بالبيت. وقيل: إعظاماً لذلك الموضع كما أن الحرم لا يُدْخَل بنعلين إعظاماً له، قال سعيد بن جبير: قيل له طإ الأرض حافياً كما تدخل الكعبة حافياً. والعرف عند الملوك أن تخلع النعال و يبلغ الإنسان إلى غاية التواضع، فكأن موسى (عليه السلام) أمر بذالك على هذا الوجه. ولا تبالي كانت نعلاه من ميتة أو غيرها. وقد كان مالك لا يرى لنفسه ركوب دابة بالمدينة براً بتربتها المحتوية على الأعظم الشريفة، والجثة الكريمة. ومن هذا المعنى قوله عليه الصلوة والسلام لبشير بن الخصاصية وهو يمشي بين القبور بنعليه ''إذا كنت فی مثل هذا المكان فاخلع نعليك'' قال: فخلعتهما ـ[۲]

''بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے وقت خشوع اور تواضع کے لئے تھا۔ اسی طرح اسلاف نے بھی بیت اللہ شریف کے طواف کے دوران ایسا کیا۔ بعض نے کہا اس مقام کی تعظیم کے پیشِ نظر ایسا کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ حرم شریف کی تعظیم میں کوئی شخص جوتا پہن کر اندر داخل نہیں ہوتا۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ننگے پاؤں زمین پر چلنے کا کہا گیا جس طرح کعبہ شریف

(۱،۲) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۱۱: ۱۷۳

میں ننگے پاؤں داخل ہوا جاتا ہے۔ بادشاہوں کے ہاں جوتا اتار کر جانا معروف ہے اس سے انسان انتہا درجے کی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وجہ سے یہ حکم دیا گیا۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کے جوتے مردار چمڑے وغیرہ کے بنے ہوئے تھے۔ حضرت امام مالک مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک روضہ کی تعظیم و احترام میں جس کے اندر تمام مخلوق سے بڑھ کر محترم ہستی حضور نبی اکرم ﷺ کا مبارک و محترم جسم اقدس ہے، سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے۔ پس احترام قبر کی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ نے بشیر بن خصاصیہ کو جب وہ جوتوں سمیت قبروں کے درمیان سے گذر رہے تھے فرمایا: جب تو اس طرح کے مقامات سے گذرے تو (تعظیماً) اپنا جوتا اتار لیا کرو۔ پس وہ کہتے ہیں کہ میں نے جوتے اتار دیئے۔''

۲۔ امام ابنِ کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقيل إنما أمره بخلع نعليه تعظيماً للبقعة، و قال سعيد بن جبير: كما يؤمر الرجل أن يخلع نعليه إذا أراد ان يدخل الكعبة(۱)

''بعض نے کہا ہے کہ اس مقدس وادی کی تعظیم کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم دیا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ میں داخل ہونے کے لئے جس طرح آدمی کو جوتے اتارنے کا حکم دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح یہ حکم تھا۔''

۳۔ علامہ شوکانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أمره الله سبحانه بخلع نعليه، لأن ذلك أبلغ فى التواضع، وأقرب إلى التشريف والتكريم وحسن التأدب۔(۱)

---

(۱) ابن کثیر، تفسير القرآن العظيم، ۳:۱۴۳

’’اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ اس میں زیادہ عاجزی و انکساری کا اظہار ہے اور (ایسا کرنا) تعظیم و تکریم اور حسن ادب کے قریب تر ہے۔‘‘

۴۔ علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے:

والقرآن يدلّ على أن ذلك احترامٌ للبقعة وتعظيم لها وتشريف لقدسها۔(۲)

’’اور قرآن اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا یہ جوتا اُتارنا اس مقدس زمین کے ٹکڑے کے احترام اور اس کی تعظیم اور تقدیس وحرمت کے پیش نظر تھا۔‘‘

۵۔ علامہ بیضاویؒ نے لکھا ہے:

أمره بذالك لأن الحفوة تواضع وأدب ولذلك طاف السلف حافين۔(۳)

’’حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم اس لئے دیا کہ ننگے پاؤں چلنا ادب و انکساری کی علامت ہے یہی وجہ ہے کہ (بعض) اسلاف ننگے پاؤں زمین پر چلتے تھے۔‘‘

قبرستان کی تعظیم میں جوتے اُتارنے کا حکم

حضور نبی اکرم ﷺ نے اُمت کو قبرستان کے تعظیم و احترام میں جوتا اتارنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

(۱) شوکانی، فتح القدیر، ۳:۳۵۸

(۲) زمخشری، الکشاف، ۳:۵۵

(۳) بیضاوی، أنوار التنزیل و أسرار التأویل، ۳:۷

كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَمَرَّ عَلَى قُبُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ: لَقَدْ سَبَقَ هٰؤُلَاءِ شَرًّا كَثِيْرًا، ثُمَّ مَرَّ عَلَى قُبُوْرِ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ: لَقَدْ سَبَقَ هٰؤُلَاءِ خَيْرًا كَثِيْرًا فَحَانَتْ مِنْهُ الْتِفَاتَةٌ فَرَأَى رَجُلًا يَمْشِي بَيْنَ الْقُبُوْرِ فِي نَعْلَيْهِ فَقَالَ: يَا صَاحِبَ السِّبْتِيَّتَيْنِ أَلْقِهِمَا(۱)

’’میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا تو اسی اثناء میں ہم مسلمانوں کی قبروں پر گذرے آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ لوگ بہت بڑی برائی سے بچ گئے، پھر مشرکین کے قبور سے گزرے تو فرمایا یہ لوگ بہت بڑی بھلائی سے محروم رہے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ پس آپ ﷺ نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتوں سمیت گزرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ فرمایا: اے جوتوں والے جوتے اتار دے۔‘‘

کسی متبرک مقام کی تعظیم میں جوتے اتار کر چلنا جائز ہے

ثابت ہوا کہ تعظیم بخلع النعال یعنی کسی متبرک جگہ جوتے اتار کر چلنا جائز ہے۔ جیسا کہ مساجد اور مزارات کے احاطے میں تمام مسلمان ادب و احترام کے پیش نظر اپنے جوتے اتار کر ننگے پاؤں داخل ہوتے ہیں۔ اور ایسا کرنا قرآن و احادیث کی نصوص سے ثابت ہے۔ یہ ایک جائز مستحسن عمل تعظیم ہے جسے آج تک کسی نے ناجائز نہیں کہا۔

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب کراھیة المشی بین القبور فی النعال، ۴: ۹۶، رقم: ۲۰۴۸

۲۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الجنائز، باب في خلع النعلین في المقابر، ۱: ۴۹۹، رقم: ۱۵۶۸

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۴۴۲، رقم: ۳۱۷۰

۴۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۲۸۹، رقم: ۸۲۹

باب سوُم

شرعی تعظیمات

فصل اَوّل: بعض واجب تعظیمات

فصل دوم: بعض ممنوع تعظیمات

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

بعض واجب تعظیمات

www.MinhajBooks.com

جیسا کہ ہم نے گزشتہ اَبواب میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ تعظیم و تکریم اسلامی آداب و ثقافت کا خاصہ ہے۔ سارے کا سارا دین ادب، محبت اور تعظیم ہے۔ توحید و رسالت جیسے بنیادی عقائد اس وقت تک ایمان بنتے ہی نہیں جب تک اللہ ﷻ اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اَدب و تعظیم اور محبت کا تعلق پیدا نہ ہو۔ تعظیم دراصل ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس میں محبت و اَدب اور تکریم بیک وقت موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس تعلق کے اظہار کو شرعاً عبادت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتب، اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل، اُن کی اولاد، رفقاء اور قربت رکھنے والے جملہ رشتے بھی اسی نسبت کے سبب واجب الاحترام ہوتے ہیں۔

قبل ازیں ہم نے زیرِ نظر کتاب کے شروع میں شرعی تعظیمات میں سے تقریباً پندرہ کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سرفہرست تعظیم رسالت مآب کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔ یہاں ہم بقیہ اہم شرعی تعظیمات کا اجمالی تذکرہ کر رہے ہیں جن میں قرآن، حدیث، صحابہ، اہلبیت اور اولیاء اللہ و دیگر احباب و اشیاء کی تعظیمات شامل ہیں۔ ان تعظیمات کے ذکر کرنے کا مقصود یہاں تعظیم ثابت کرنا نہیں کیونکہ یہ تعظیمات تو ثابت شدہ ہیں اور ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہیں۔ مدعائے عرض یہ ہے کہ جس طرح یہ تعظیمات ہمارے دین کا حصہ ہیں اور ہم ان میں سے کسی کو شرک قرار نہیں دیتے اسی طرح قرآن و حدیث جیسی قابل تعظیم نعمتیں لانے والی ہستی یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کو شرک کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اگر تعظیم رسالت شرک ہے تو ان تعظیمات شرعیہ پر بھی شرک کا فتویٰ لگانا چاہیے۔ ذیل میں چند تعظیمات کا بالترتیب ذکر ہے:

ا۔ تعظیمِ قرآن

قرآن حکیم نبی آخرالزماں حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔ شرعاً اس کی تعظیم واجب ہے۔ قرآن حکیم کے ادب و احترام اور تعظیم کے حوالے سے قرآن و حدیث کے احکامات درجہ ذیل ہیں:

ا۔ قرآن حکیم کی تلاوت سننا اور اس کا احترام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قُرِىءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَO (۱)

''اور جب قرآن پڑھا جائے اسے توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائےo''

۲۔ تلاوتِ قرآن سے قبل تَعَوُّذْ پڑھنا واجب ہے، اِرشاد فرمایا:

فَإِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِO (۲)

''سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کی وسوسہ اندازیوں) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریںo''

۳۔ طہارت اور وضو کے ساتھ تلاوت شرط ہے، فرمایا:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌO فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍO لَّا يَمَسُّهٗٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَO تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَO (۳)

(۱) الأعراف، ۷: ۲۰۴

(۲) النحل، ۱۶: ۹۸

(۳) الواقعة، ۵۶: ۷۷۔۸۰

’’بیشک یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے (جو بڑی عظمت والے رسول ﷺ پر اتر رہا ہے)o (اس سے پہلے یہ) لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہےo اس کو پاک (طہارت والے) لوگوں کے سوا کوئی نہیں چُھوئے گاo تمام جہانوں کے ربّ کی طرف سے اتارا گیا ہےo‘‘

۴۔ ترتیل کے ساتھ، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا آدابِ تلاوت میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًاo(۱)

’’اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریںo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی تلاوتِ قرآن کے ادب و تعظیم کی تعلیم فرمائی۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لَيْسَ مِنْ مُؤَدَّبٍ إِلَّا وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى أَدَبُهُ، وَإِنَّ أَدَبَ اللهِ الْقُرْآنُ۔(۲)

’’ہر مستحقِ اَدب یہ چاہتا ہے کہ اسے اس کا ادب کیا جائے اور بیشک اللہ تعالیٰ کا ادب قرآن ہے۔‘‘

اندازہ کریں کہ قرآن کے ادب کو اللہ تعالیٰ کا ادب قرار دیا جا رہا ہے تو اس قولِ صحابی کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ حدیث کا ادب حضور علیہ السلام کا ادب ہے۔

۲۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ بِحُزْنٍ، فَإِذَا قَرَأْتُمُوهُ فَابْكُوا، فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا،

---

(۱) المزمل، ۷۳: ۴

(۲) دارمی، السنن، ۲: ۵۲۵، رقم: ۳۳۲۲

فَتَبَاكَوا، وَتَغَنَّوْا بِهِ، فَمَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِهِ فَلَيْسَ مِنَّا(۱)

''بیشک یہ قرآن غم سے لبریز نازل ہوا ہے، پس جب تم اسے پڑھو تو رویا کرو، اور اگر (دل کے سخت ہو جانے کے باعث) رو نہ سکو تم (کم از کم) رونے والی حالت ہی بنا لیا کرو اور نغمگی کے ساتھ خوش الحانی سے اس کی تلاوت کیا کرو۔ پس جو حسنِ صوت اور نغمگی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

۳۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَرَتِّلْهُ تَرْتِيلًا بَيِّنْهُ تَبْيِينًا وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرَ الدَّقَلِ وَلَا تَهُذُّهُ هَذَّ الشِّعْرِ، قِفُوْا عِنْدَ عَجَائِبِهِ وَحَرِّكُوْا بِهِ الْقُلُوْبَ وَلَا يَكُوْنَنَّ هَمُّ أَحَدِكُمْ آخِرَ السُّوْرَةِ۔(۲)

''اے ابنِ عباس! جب تم قرآن پڑھو تو اس کو ٹھہر ٹھہر کر اور الفاظ و حروف کو خوب واضح کر کے پڑھا کرو۔ اس کو ردی کھجور کے بکھیرنے کی طرح نہ بکھیر دیا کرو اور نہ ہی اسے جلدی سے شعر گوئی کی طرح پڑھا کرو۔ اس کے عجائبات پر

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب إقامة الصلاة، باب حسن الصوت بالقرآن، ۱: ۴۲۴، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ ابو یعلی، المسند، ۲: ۴۹، رقم: ۶۸۹

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۳۱

(۲) ۱۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۳۶۱، رقم ۸۴۳۸

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۱۳، رقم: ۴۴۹۲

۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۳۶۰، رقم: ۲۰۴۲

توقف کیا کرو اور اس کے ذریعے اپنے دلوں کو حرکت دیا کرو اور تم میں سے کسی کا بھی ارادہ صرف آخری سورت تک پہنچنے کا نہیں ہونا چاہیے (کہ جلد ختم قرآن ہو جائے بلکہ اس کو غور و فکر اور تدبر کے ساتھ پڑھا کرو)۔‘‘

ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کی تعظیم بجا لانا حکمِ الٰہی اور حکمِ رسول ﷺ ہے اور ادب و احترام و غور و فکر سے اس کا پڑھنا، سننا ہر امتی پر لازم ہے۔

۲۔ تعظیمِ حدیث

قرآن حکیم کے بعد آقائے نامدار حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک اقوال و افعال جنہیں وحی خفی کا درجہ حاصل ہے اہلِ اسلام کے نزدیک حد درجہ قابلِ احترام و اکرام ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام بالاتفاق قرآن حکیم کے بعد حدیثِ مبارکہ کو سرچشمہ ہدایت قرار دیتے ہیں۔ اس لئے احادیث کی تعظیم و تکریم بھی دل و جان سے بجا لاتے رہے۔ قرآن کی طرح حدیث نبوی کی تعظیم کی اصل شکل اس کی تعلیمات کو حرزِ جاں بنانا ہے۔ بڑے بڑے ائمہ دین نے حدیث نبوی کی خدمات کو پوری زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ درس حدیث سے پہلے غسل کرتے، عمدہ اور بیش قیمت لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے اور پھر ایک تخت پر نہایت عجز و انکساری سے بیٹھتے اور جب تک درس جاری رہتا انگیٹھی میں عود اور لوبان ڈالتے رہتے تھے۔(۱)

آپ اس درجہ احترام کرتے کہ درس حدیث کے درمیان کبھی پہلو نہیں بدلتے تھے۔ اس حوالے سے چند واقعات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بیان کرتے ہیں:

كنت عند مالك وهو يحدّثنا حديث رسول الله ﷺ، فلدغته

(۱) ابن فرحون اليعمری، الديباج المذهب، ۱: ۲۳

عقرب بست عشرة مرّة، و مالك يتغير لونه و يصفر ولا يقطع حديث رسول الله ﷺ فلما فرغ من المجلس و تفرّق الناس، قلت: يا أبا عبد الله، لقد رأيت اليوم منك عجباً فقال: نعم! إنما صبرت إجلالًا لحديث رسول الله ﷺ۔[1]

’’میں امام مالک کے ہاں حاضر تھا اور وہ ہمیں احادیثِ رسول ﷺ بیان فرما رہے تھے۔ اس اثناء ایک بچھو نے انہیں سولہ (۱۶) بار ڈنگ مارا۔ امام مالک کا رنگ متغیر زرد ہوگیا لیکن انہوں نے حدیث مبارکہ کے بیان میں انقطاع نہ کیا۔ جب وہ مجلس سے اٹھے اور لوگ چلے گئے تو میں نے کہا: ابوعبد اللہ! آج میں نے آپ کے ساتھ عجیب معاملہ دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں! میرا اس تکلیف پر صبر کرنا (اپنی طاقت کی بناء پر نہ تھا بلکہ) محض حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔‘‘

۲۔ باوضو طہارت کے ساتھ حدیث رسول ﷺ کا بیان ائمہ اسلاف کا معمول تھا۔

(۱) حضرت ابنِ ابی اویس سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

كان مالك إذا أراد أن يحدّث توضّأ و جلس على فراشه، و سرّح لحيته، و تمكّن فی الجلوس بوقار وهيبة ثم حدّث، فقيل له فی ذلك فقال: أحبّ أن أعظّم حديث رسول الله ﷺ، ولا أحدّث به إلا على طهارة متمكناً، و كان يكره أن يحدّث فی الطريق وهو قائم أو يستعجل، فقال: أحبّ أن أتفهّم ما أحدّث به عن رسول الله ﷺ۔[2]

(۱) ابن فرحون اليعمری، الديباج المذهب، ۱: ۲۳

(۲) ۱۔ أبو نعيم أصبهانی، حلية الاولياء، ۶: ۳۱۸

۲۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۲: ۱۷۸

’’حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو وضو کرتے اور مسند پر بیٹھ جاتے۔ اپنی داڑھی کو کنگھی کر کے سنوارتے اور مسند پر باوقار انداز کے ساتھ بیٹھ جاتے پھر حدیث بیان کرتے۔ اس اہتمام کے حوالے سے ان سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ کی تعظیم کو پسند کرتا ہوں اسی لئے بحالت وضو بیان کرتا ہوں۔ حضرت امام مالک راستے میں کھڑے کھڑے اور عجلت میں حدیث بیان کرنا بھی ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سمجھ کر بیان کروں۔‘‘

(۲) حضرت ضریر بن مرۃ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

كانوا يكرهون أن يحدّثوا عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وهم على غير وضوء۔[۱]

’’ائمہ اسلاف حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر وضو کے بیان کرنا ناپسند کرتے تھے۔‘‘

(۳) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

يستحب أن لا تقرأ أحاديث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إلا على طهارة۔[۲]

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو طہارت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔‘‘

(۴) حضرت ابو معصب سے روایت ہے:

كان مالك لا يحدّث بحديث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إلا وهو على

---

(۱) ۱۔ ابن عبدالبر، جامع بيان العلم، ۲: ۱۹۸

(۲) ۱۔ أبو نعيم أصبهانى، حلية الاولياء، ۲: ۳۳۵
۲۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۵: ۲۷۴

الطهارة إجلالًا لحديث رسول الله ﷺ۔(۱)

''امام مالک رضی اللہ عنہ حدیثِ رسول ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے طہارت کے بغیر کبھی بھی بیان نہیں کرتے تھے۔''

۳۔ محمد بن سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ المطلب بن حنطب، سعید بن المسیب کی بیماری میں ان کے پاس آئے جبکہ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ سے حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

أقعدونی، فأقعدوه قال: إنی أکره ان أحدّث حديث رسول الله ﷺ و أنا مضطجع۔(۲)

''مجھے اٹھا کر بٹھاؤ پس انہوں نے آپ کو اٹھا کر بٹھایا، آپ نے کہا: میں حدیث رسول ﷺ کو لیٹے ہوئے بیان کرنا ناپسند کرتا ہوں۔''

مذکورہ بالا احادیث اور ائمہ محدثین کی تصریحات سے یہ امر مترشح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی احادیث مبارکہ کی فی نفسہٖ تعظیم و احترام بجا لانا منشاءِ شریعت ہے، اس کے خلاف عقیدہ رکھنا باطل اور کذب ہے۔

۳۔ تعظیم اہلِ بیتِ اَطہار

آقائے دوجہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی آلِ پاک اور اہل بیت اطہار کا ادب و

(۱) ا۔ أبو نعيم أصبهانی، حلية الأولياء، ۶: ۳۱۸
۲۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۸: ۹۶

(۲) ا۔ أبو نعيم أصبهانی، حلية الأولياء، ۲: ۱۴۹
۲۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۲: ۸۰
۳۔ ابن كثير، البداية و النهاية، ۹: ۱۰۰

تعظیم نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ o(۱)

’’فرما دیجئے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (اپنی اور اللہ کی) قرابت و قربت سے محبت (چاہتا ہوں) اور جو شخص نیکی کمائے گا ہم اس کے لئے اس میں اُخروی ثواب اور بڑھا دیں گے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے o‘‘

اہلِ بیت کی تعظیم کا ذکر حدیثِ مبارکہ میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت حنش بیان کرتے ہیں:

رَأَیْتُ أَبَا ذَرٍّ أَخَذَ بِعِضَادَتَي بَابِ الْکَعْبَةِ وَ هُوَ یَقُوْلُ: مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْنِي فَأَنَا أَبُوْ ذَرٍّ الْغِفَارِيُّ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ یَقُوْلُ: مَثَلُ أَهْلِ بَیْتِی کَمَثَلِ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ فِي قَوْمِ نُوْحٍ، مَنْ رَکِبَهَا نَجَا وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَکَ ۔(۲)

’’میں نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کعبہ کی دونوں چوکھٹوں کو پکڑ کر کہہ رہے تھے جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا جان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ میرے اہل بیت کی مثال قومِ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوگیا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوگیا۔‘‘

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۲۳

(۲) طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۵، رقم: ۲۶۳۷

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَحِبُّوا اللهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ، وَأَحِبُّونِي بِحُبِّ اللهِ، وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي۔(۱)

''تم اللہ کے ساتھ اس کی ان نعمتوں کی وجہ سے محبت کیا کرو جو اس نے تم پر کی ہیں اور اللہ کی محبت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت کیا کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت کے ساتھ محبت کیا کرو۔''

۳۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس فرمان عالیہ میں اللہ تعالیٰ اپنی اور اہل بیت کی محبت کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے۔ جو اللہ رب العزت سے محبت کا دعوی دار ہے وہ حضور علیہ السلام سے محبت کرے اور جو حضور ﷺ سے محبت کرتا ہے وہ اہل بیت سے محبت کرے۔ جب کوئی شخص تینوں ذاتوں سے محبت کرے گا تب کا ایمان کا حق ادا ہوگا۔ ان تینوں محبوں اور محبتوں میں ہرگز بھی جدائی اور فراق نہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنْزِلُوا آلَ مُحَمَّدٍ ﷺ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَ بِمَنْزِلَةِ الْعَيْنِ مِنَ الرَّأْسِ، فَإِنَّ الْجَسَدَ لَا يَهْتَدِي إِلَّا بِالرَّأْسِ وَ إِنَّ الرَّأْسَ لَا يَهْتَدِي إِلَّا بِالْعَيْنَيْنِ۔(۲)

''آل محمد ﷺ کو (اپنے درمیان) وہ مقام اور درجہ دو جو مقام جسم میں سر کا

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبی ﷺ، ۵: ۶۶۴، رقم: ۳۷۸۹

۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۲، رقم: ۴۷۱۶

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۶، رقم: ۲۶۳۹

(۲) طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۶، رقم: ۲۶۴۰

اور سر میں آنکھ کا ہوتا ہے کہ سر ہی جسم کی رہنمائی کرتا ہے اور آنکھیں ہی سر کی رہنمائی کرتی ہیں۔‘‘

جس طرح آنکھیں سر کی رہنمائی کرتی ہیں اور بھٹکنے سے محفوظ رکھتی ہیں، ان کی وجہ سے پھر سر جسم کی رہنمائی کرتا ہے اسی طرح اہلِ بیت اطہار کی دلیری اور تابعداری انسان کو گمراہی اور ضلاحت سے محفوظ رکھنے کا باعث بنتی ہے۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن، حسین اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھ کر فرمایا:

أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَكُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ(۱)

’’جو تم سے جنگ کرتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور جو تم سے صلح رکھتا ہے میں اس سے صلح رکھتا ہوں۔‘‘

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي۔(۲)

’’جس نے حسن اور حسین سے محبت کی پس اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا پس اس نے مجھ سے بغض رکھا۔‘‘

---

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۰، رقم: ۲۶۲۱

(۲) ۱۔ ابن ماجۃ، السنن، المقدمۃ، باب فضل الحسن والحسین، ۱: ۵۱، رقم: ۱۴۳

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۷، رقم: ۲۶۴۵

۳۔ أبو یعلی، المسند، ۱۱: ۷۸، رقم: ۶۲۱۵

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے اہلِ بیت اطہار سے محبت کرنا، ان کو رہنما ماننا اور ان کی تعظیم و احترام بجا لانا واجب اور لازم ہے لہٰذا اِن کی تعظیم کو شرک اور بدعت کہنا خلافِ قرآن وسنت ہے۔

۴۔ تعظیمِ صحابہ

حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت و تربیت پانے والے صحابہ کرام کی تعظیم وتکریم کرنا بھی امت پر واجب ہے۔ چند ارشاداتِ نبوی ملاحظہ کریں۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ (۱)

’’میرے صحابہ کو برا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو پھر بھی وہ ان کے سیر بھر یا اس سے آدھے کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔‘‘

۲۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ أَصْحَابِي فَقُوْلُوْا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب قول النبي ﷺ: لو کنت متخذا خلیلا، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۳۴۷۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سبّ الصحابة، ۴: ۱۹۶۷، رقم: ۲۵۴۰

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب (۵۹)، ۵: ۶۹۵، رقم: ۳۸۶۱

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی فضل من رَأی النَّبِیَّ ﷺ وَ صَحِبَهُ، ۵: ۶۹۷، رقم: ۳۸۶۶

←

’’جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو تم (انہیں) کہو: تمہارے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔‘‘

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ(۱)

’’جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ کی، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔‘‘

مذکورہ بالا احادیث سے یہ امر مترشح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے صحابہ کرام کی تعظیم و احترام بجا لانا واجب ہے اور ان کے باہمی مشاجرات کے باعث ان کی سُوءِ ادبی حرام ہے۔ اُن کی تعظیم بجا لانا منشاءِ شریعت ہے۔

۵۔ تعظیمِ اَولیاء اللہ

اللہ کے دوست اولیائے کرام اور صلحائے عظام بھی از روئے قرآن و حدیث تعظیم و احترام کے مستحق ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًاۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

.... ۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۱۹۱، رقم: ۸۳۶۶

۳۔ ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۲۶۳، رقم: ۱۰۲۲

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۱۱۱، رقم: ۱۲۷۰۹

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۹۴، رقم: ۴۷۷۱

۳۔ ابن أبی شيبة، (عن عطا بن أبی رباح)، المصنف، ۶: ۴۰۵، رقم: ۳۲۴۱۹

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا صلے رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ج وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِيْ ط ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ○(۱)

’’اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں (رہنے والے) دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لئے ایک خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا، سو آپ کے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے وہ اپنا خزانہ (خود ہی) نکالیں، اور میں نے (جو کچھ بھی کیا) وہ از خود نہیں کیا، یہ ان (واقعات) کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے○‘‘

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيّاً، فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي، يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ۔(۲)

’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اُس سے اعلانِ

---

(۱) الکہف، ۱۸: ۸۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم: ۶۱۳۷

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۵۸، رقم: ۳۴۷

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۱۹

جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ ایسی کسی چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو اور میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے میرا قرب برابر حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی اس طرح متردد نہیں ہوتا جیسے بندۂ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہوں۔ اسے موت پسند نہیں اور مجھے اس کی تکلیف پسند نہیں۔‘‘

۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ عزوجل لَأُنَاسًا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللهِ. قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوحِ اللهِ عَلَى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ، وَلَا أَمْوَالٍ يَتَعَاطُوْنَهَا، فَوَاللهِ إِنَّ وُجُوهَهُمْ لَنُوْرٌ وَإِنَّهُمْ لَعَلَى نُوْرٍ، لَا يَخَافُوْنَ إِذَا خَافَ النَّاسُ، وَلَا يَحْزَنُوْنَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ، وَقَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[1]۔[2]

(۱) يونس، ۱۰: ۶۲

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في الرهن، ۳: ۲۸۸، رقم: ۳۵۲۷

۲۔ نسائی، السنن الكبرى، سورة يونس، ۶: ۳۶۲، رقم: ۱۱۲۳۶

۳۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۶: ۴۸۶، رقم: ۸۹۹۸

’’بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے برگزیدہ بندے ہیں جو نہ انبیاء کرام ہیں نہ شہداء، قیامت کے دن انبیاء کرام علیھم السلام اور شہداء ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مقام دیکھ کر اُن پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں ان کے بارے میں بتائیں کہ وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جن کی باہمی محبت صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتی ہے نہ کہ رشتہ داری اور مالی لین دین کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! ان کے چہرے پرنور ہوں گے اور وہ نور (کے ٹیلوں) پر ہوں گے، انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا جب لوگ خوفزدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہیں ہوگا جب لوگ غم زدہ ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے﴾۔‘‘

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيْحَ لِذِكْرِ اللهِ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللهُ۔(۱)

’’یقیناً بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کنجیاں ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔‘‘

امام ھبۃ اللہ بن الحسن لالکائی کی تصنیف ’’**جامع كرامات أولياء الله**‘‘ میں اولیاء اللہ کی تعظیم کے حوالے سے ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے۔ جس کا عنوان ہے: **باب ما روي عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في تعظيم أولياء الله عزوجل** ’’یہ باب ان احادیث کے حوالے سے ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اولیاء کی تعظیم میں بیان ہوئی ہیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۰: ۲۰۵، رقم: ۱۰۴۷۶
۲۔ بیہقی، شعب الإيمان، ۱: ۴۵۵، رقم: ۴۹۹
۳۔ ابن أبی الدنيا، كتاب الأولياء، ۱: ۱۷، رقم: ۲۶
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۷۸، وَصَحَّحَهُ

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ وہ مقربین و صالحین جنہیں اللہ کے اولیاء قرار دیا گیا ہے جن کے دیدار فرحت آثار سے یاد الٰہی نصیب ہوتی ہے ان کا ادب و احترام اور تعظیم و تکریم بھی واجب ہے ان کی تعظیم بجالانا ہرگز شرک نہیں بلکہ منشاءِ شریعت ہے۔

۶۔ تعظیمِ اَکابرین و مشائخ

یہ ایک حقیقت ہے کہ علمائے ربانی اور مشائخ حقانی کی حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کی خدمت کی نسبت سے تعظیم و احترام بجا لانا منشاء اِسلام ہے۔ اِن کی تعظیم کو شرک کہنا باطل اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ اکابر علماء اور مشائخ کی تعظیم درج ذیل احادیث سے ثابت ہے۔

۱۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، وہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عَلِيًّا يُقَبِّلُ يَدَ الْعَبَّاسِ وَ رِجْلَيْهِ وَ يَقُوْلُ: يَا عَمِّ ارْضَ عَنِّي۔(۱)

’’میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے دیکھا اور آپ ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے: اے چچا! مجھ سے راضی ہوجائیں۔‘‘

۲۔ حضرت ایاس بن دغفل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا نَضْرَةَ قَبَّلَ خَدَّ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۹، رقم: ۹۷۶

۲۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۲: ۹۴

۳۔ مزی، تهذيب الكمال، ۱۳: ۲۴۰، رقم: ۲۹۰۵

۴۔ مقری، تقبيل اليد، ۱: ۷۶، رقم: ۱۵

(۲) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب فی قبلة الخدّ، ۴: ۳۵۶، رقم: ۵۲۲۱

www.MinhajBooks.com

''میں نے ابونضرہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت حسن بن علی علیھما السلام کے رُخسار مبارک پر بوسہ دیا۔''

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ كُلَّمَا قَدِمَ الشَّامَ اسْتَقْبَلَهُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ، فَقَبَّلَ يَدَهُ(۱)

''وہ جب بھی شام آتے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آپ کا استقبال کرتے اور آپ کی دست بوسی کرتے۔''

۴۔ شعبی سے روایت ہے:

صَلّى زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ عَلَى جَنَازَةٍ فَقُرِبَتْ لَهُ بَغْلَةٌ لِيَرْكَبَهَا فَجَاءَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَخَذَ بِرِكَابِهِ فَقَالَ لَهُ زَيْدٌ خَلِّ عَنْهُ يَا ابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَكَذَ أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِالْعُلَمَاءِ وَ الْكُبَرَاءِ، فَقَبَّلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَدَهُ وَ قَالَ هَكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِأَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا(۲)

''حضرت زید بن ثابت نے ایک جنازے پر نماز پڑھی پھر سواری کے لیے خچر لایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے بڑھ کر رکاب تھام لی۔ یہ دیکھ کر حضرت زید نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابنِ عم، آپ ہٹ جائیں۔ اس پر حضرت ابن عباس نے جواب دیا: ہمیں علماء و اکابر کی اسی طرح عزت کرنے کا حکم دیا گیا

.... ۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷: ۱۰۱، رقم: ۱۳۳۶۱

۳۔ ابن أبی شیبۃ، المصنف، ۵: ۲۴۷، رقم: ۲۵۷۳۳

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۴۷۶، رقم: ۸۹۶۵

(۲) ۱۔ غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۵۰

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۲: ۳۶۰

۳۔ ابن حجر عسقلانی، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲: ۵۹۴

ہے۔ حضرت زید نے حضرت ابن عباس کا ہاتھ چوما اور فرمایا: ہمیں اپنے نبی کے اہل بیت سے اسی برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔‘‘

۵۔ حضرت شریک نے حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ حَقِّ الْعَالِمِ أَلَا تكْثِر عَلَيْهِ بِالسُّؤَالِ، وَ لَا تُعَنِّتَهُ فِي الْجَوَابِ، وَ أَنْ لَا تُلِحَّ عَلَيْهِ إِذَا كَسَلَ، وَ لَا تَأْخُذَ بِثَوْبِهِ إِذَا نَهَضَ، وَ لَا تَغْشِي لَهُ سِرًّا، وَ لَا تَغْتَابَنَّ أَحَدًا عِنْدَهُ، وَ لَا تَطْلُبَنَّ عِشْرَتَهُ، وَ إِنْ زَلَّ قَبِلْتَ مَعْذِرَتَهُ وَ عَلَيْكَ أَنْ تُوَقِّرَهُ وَ تُعَظِّمَهُ لِلّٰهِ مَادَامَ يَحْفَظُ أَمْرَ اللهِ وَلَا تَجْلِسْ أَمَامَهُ، وَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ سَبَقْتَ الْقَوْمَ إِلَى خِدْمَتِهِ۔(۱)

’’عالم کے حقوق میں یہ شامل ہے کہ

۱۔ اس سے زیادہ سوالات نہ کئے جائیں۔
۲۔ جواب میں اس پر سختی نہ کی جائے۔
۳۔ جب وہ غفلت کرے تو اصرار نہ کیا جائے۔
۴۔ جب وہ مجلس کے بعد اٹھ جائے تو اس کے کپڑے نہ پکڑے جائیں۔
۵۔ اس کے راز کو افشا نہ کیا جائے۔
۶۔ اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کی جائے۔

(۱) ۱۔ غزالی، إحیاء علوم الدین، ۱: ۵۱
۲۔ قاضی عیاض، الإلماع إلی معرفة أصول الروایة و تقیید السماع، ۱: ۴۸
۳۔ ہندی، کنز العمّال، ۱: ۵۲۳، رقم: ۲۹۵۲۰

۷۔ زبردستی اس کی صحبت اختیار کرنے کا تقاضا نہ کیا جائے۔
۸۔ اگر وہ جواب سے معذوری ظاہر کرے تو معذرت قبول کی جائے۔
۹۔ تجھ پر لازم ہے کہ اللہ کے لئے اس کی تعظیم و توقیر کرے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے امر کو محفوظ کرتا ہے۔
۱۰۔ اس کے سامنے (بے ادبی کی حالت میں) نہ بیٹھا جائے اور
۱۱۔ اگر اس کی کوئی ضرورت ہو تو اس کی خدمت کے لئے لوگوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر کوشش کرنی چاہیے۔''

۷۔ تعظیمِ والدین

والدین کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام پر قرآن و حدیث میں متعدد ارشادات ہیں۔ یہاں پر قرآن حکیم سے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ قف وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔[1]

''اور (یاد کرو) جب ہم نے اولادِ یعقوب سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔''

۲۔ وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْ ھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًاo[2]

''اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۸۳
(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۳

اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ''اُف'' بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کروo''

۳۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَo(۱)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین سے نیک سلوک کا حکم فرمایا اور اگر وہ تجھ پر (یہ) کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کی اطاعت مت کر، میری ہی طرف تم (سب) کو پلٹنا ہے سو میں تمہیں ان (کاموں) سے آگاہ کردوں گا جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھےo''

۴۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُo(۲)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (نیکی کا) تاکیدی حکم فرمایا، جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف کی حالت میں (اپنے پیٹ میں) برداشت کرتی رہی اور جس کا دودھ چھوٹنا بھی دو سال میں ہے (اسے یہ حکم دیا) کہ تو میرا (بھی) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہےo''

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ ثابت ہوا کہ والدین کی تعظیم اور احترام بجالانا

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۸

(۲) لقمان، ۳۱: ۱۴

واجب ہے، شرک نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی والدین کی تعظیم وتکریم اور ادب واحترام کا حکم دیا۔ چند ایک احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا:

أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: اَلصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ. قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ ۔(۱)

''اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: والدین سے حسن سلوک کرنا۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

يَارَسُوْلَ اللهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ ۔(۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب البر والصلة، ۵: ۲۲۲۷، رقم:۵۶۲۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان کون الإیمان باللہ تعالی أفضل الأعمال، ۱: ۸۹، رقم: ۸۵

۳۔ نسائی، السنن، کتاب المواقیت، باب فضل الصلاة لمواقیتها، ۱: ۲۹۲، رقم: ۶۱۰

(۲) ۱۔ بخا ری، الصحیح، کتاب الأدب، باب من أحقّ الناس بحسن الصحبة، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۶

←

''یا رسول اللہ! لوگوں میں میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا: تمہاری والدہ۔ انہوں نے عرض کیا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری والدہ۔ انہوں نے عرض کیا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری والدہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا: پھر کون ہے؟ فرمایا: پھر تمہارا والد ہے۔''

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ. قِيْلَ: مَنْ؟ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ، أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيهِمَا، فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔(۱)

''اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہیں ہوا۔''

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

أُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ، أَبْتَغِي الْأَجْرَ مِنَ اللهِ، قَالَ: فَهَلْ

.... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدین و انهما أحق به، ۴: ۱۹۷۴، رقم: ۲۵۴۸

۳۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب بر الوالدین، ۲: ۱۲۰۷، رقم: ۳۶۵۸

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب رَغِمَ أَنفُ من أدرك أبويه ......، ۴: ۱۹۷۸، رقم: ۲۵۵۱

۲۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۷۶، رقم: ۳۲۸۰

۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۱۹۵، رقم: ۷۸۸۴

مِنْ وَالِدَيْكَ أَحَدٌ حَيٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ. بَلْ كِلَاهُمَا. قَالَ: فَتَبْتَغِي الْأَجْرَ مِنَ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْكَ فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا۔ (۱)

’’میں آپ سے جہاد اور ہجرت کی بیعت کرنا چاہتا ہوں، (اور) میں اللہ تعالیٰ سے (اس کا) اجر و ثواب چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے والدین کے پاس لوٹ جا اور ان سے اچھا سلوک کر۔‘‘

۵۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَبَرُّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ أَبِيهِ وَفِي رِوَايَةٍ: إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب لا يجاهد إلا بإذن الأبوين، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدين وأنهما أحق به، ۴: ۱۹۷۵، رقم: ۲۵۴۹

۳۔ ابو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الرجل يغزو و أبواه كارهان، ۳: ۱۷، رقم: ۲۵۲۸۔ ۲۵۲۹

۴۔ نسائی، السنن، کتاب البيعة، باب البيعة على الهجرة، ۷: ۱۴۳، رقم: ۴۱۶۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم ونحوهما، ۴: ۱۹۷۹، رقم: ۲۵۵۲

۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۷۲، رقم: ۷۹۹۷

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۱۸۰، رقم: ۷۵۵۷

www.MinhajBooks.com

’’سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والد کے دوستوں سے نیکی کرے اور ایک روایت میں ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے وفات پا جانے کے بعد اس کے دوستوں سے نیکی کرے۔‘‘

۶۔ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں جہاد کا مشورہ لینے کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَلَكَ وَالِدَانِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ قَالَ: اِلْزَمْهُمَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ أَرْجُلِهِمَا۔(۱)

’’کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں (زندہ ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہی کے ساتھ رہو کہ جنت ان کے پاؤں تلے ہے۔‘‘

اسی طرح حج و عمرہ کے دوران حاجی حجر اسود کو مس کرتے ہیں جو کہ تعظیم بالمس ہی کی ایک صورت ہے۔

خلاصہ بحث

والدین کا حق اولاد پر یہ ہے کہ اولاد انہیں اُف نہیں کہہ سکتی، جھڑک نہیں سکتی، بلکہ ان کے حضور نرم و دھیمے لہجہ میں بات کرنے کا پابند کیا گیا ہے تو وہ ذاتِ اقدس جو اسلام و ایمان اور سلوک و وصول کا ذریعہ اور واسطہ ہو۔ عذابِ دوزخ سے نجات اور جنت کی ابدی راحتوں اور آسودگیوں کے حصول کا وسیلہ اور سبب ہو اور روحانی ترقی اور دارین میں عظمت وعزت کے ساتھ مختص ہونے اور کونین میں شرف و بزرگی کے ساتھ بہرہ ور ہونے کے ضامن و کفیل ہو، ان کا ادب و احترام اور تعظیم وتکریم کس قدر لازم اور ضروری

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۸۹ ۲، رقم: ۲۲۰۲
۲۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۳: ۲۱۶ ، رقم: ۳۷۵۰
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۳۸

ہوگی۔ جو مالک الملک ان مادی اور جسمانی وسیلوں کی ایذاء وتکلیف اور اساءت و بے ادبی گوارا نہیں فرماتا وہ ارحم الراحمین رب ایسے روحانی اور نورانی وسائل و ذرائع اور اسباب و وسائط کی ایذاء وتکلیف اور بے ادبی و گستاخی اور ان کے حضور جسارت و بے باکی کو کیونکر گوارا فرمائے گا۔ اگر والدین اولاد کی پرورش اور تربیتِ جسمانیہ کے لئے محنت و مشقت برداشت کریں اور مختلف النوع تکالیف ومصائب کے متحمل ہوں تو ان کے احسانات کا بدلہ چکانے کے لئے اللہ ﷻ اپنی عبادت کے وجوب ولزوم کے ساتھ ہی ان کے ساتھ نیکی بھلائی اور اخلاص و خیرخواہی اور ادب وحسن سلوک کا حکم فرمائے تو رسولِ رحمت ﷺ جنہوں نے ہمیں ایمان و اسلام عطا کرنے کے لئے اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سے بچانے کے لئے، جنت کی ابدی راحتوں تک پہنچانے کے لئے اور بارگاہِ ربانی کے حریم قدس میں مسند کرامت پر بٹھانے کے لئے کیا کیا مصائب و آلام برداشت کئے۔ پتھر کھائے، تلواروں کے وار سہے، زخمی اور لہولہان ہوئے، وطن سے بے وطن ہوئے، شب و روز سجدہ میں گر کر ہماری مغفرت وبخشش کے لئے دعائیں فرمائیں اور اب بھی مزارِ پر انوار میں اُمت کے لئے دعا گو ہیں اور مغفرتِ ذنوب اور تکفیر سیئات اور عفو گناہ کے لئے دست بہ دعا ہیں اور روزِ قیامت کبھی پل صراط پر، کبھی میزان کے پاس اور کبھی حوضِ کوثر پر اپنے دستِ کرم سے جام کوثر پلا کر ہمیشہ کے لئے پیاس کی مشقت سے خلاصی دلانے کے لئے اور شفاعت و سفارش کرنے کے لئے موجود ہوں گے تو کیا ایسے سراپا رحمت محبوبِ رب العالمین نبی ﷺ، صحابہ و اہل بیت اور اولیاء اللہ کا ادب و احترام اور عزت وتوقیر اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب و لازم نہیں ہوگی۔ کیا رب العالمین ان کی تعظیم وتکریم کو اپنی بارگاہ میں توسل قرار دینے کے بجائے کفر وشرک ٹھہرائے گا؟ معاذ اللہ ہرگز ایسا نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ سخت طغیان وعدوان میں مبتلا ہیں۔

اَنبیاء و رسل عظام بلکہ تمام مقربینِ الٰہی کا ادب و احترام، تکریم وتعظیم جانِ اسلام اور روح ایمان ہے۔ توحید کی شہادت اور اللہ رب العزت کی عبادت تعظیم رسالت

کے بغیر قطعاً قابلِ قبول اور لائق اعتبار نہیں۔ کیونکہ انکارِ تعظیم رسول ﷺ انکارِ تعظیم الٰہی کے مترادف ہے۔ایسا تصورِ توحید جو انبیاء و اولیاء کی تکریم سے بے نیاز کر دے درست نہیں ہے۔ اولیاء و عرفاء سے عداوت اور کدورت و نفرت ایمان کی تباہی و بربادی کا موجب ہے۔

۸۔ تعظیمِ شہورِ مقدسہ

مقدس مہینوں کی حرمت اور تعظیم نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ رجب، ذو القعدہ، ذوالحجہ اورمحرم کی حرمت کوقرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ○[1]

’’بیشک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب (یعنی نوشتۂ قدرت) میں بارہ مہینے (لکھی) ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین (کے نظام) کو پیدا فرمایا تھا۔ ان میں سے چار مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے سوتم ان مہینوں میں (از خود جنگ و قتال میں ملوث ہوکر) اپنی جانوں پرظلم نہ کرنا اورتم (بھی) تمام مشرکین سے اسی طرح (جوابی) جنگ کیا کرو جس طرح وہ سب کے سب (اکٹھے ہوکر) تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ بیشک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔‘‘

۲۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ

(۱) التوبة، ۹: ۳۶

اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ○(۱)

’’حرمت والے مہینے کے بدلے حرمت والا مہینہ ہے اور (دیگر) حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں، پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے○‘‘

۳۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ۔(۲)

’’لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔‘‘

۴۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ۔(۳)

’’اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت (و ادب) والے مہینے کی (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں سے کسی ماہ کی)۔‘‘

۵۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْیَ وَ الْقَلَآئِدَ ط ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ○(۴)

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۹۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۱۷

(۳) المائدة، ۵: ۲

(۴) المائدة، ۵: ۹۷

’’اللہ نے عزت (و ادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی و دنیوی امور میں) قیام (امن) کا باعث بنا دیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور کعبہ کی قربانی کو اور گلے میں علامتی پٹے والے جانوروں کو بھی (جو حرم مکہ میں لائے گئے ہوں سب کو اسی نسبت سے عزت و احترام عطا کر دیا گیا ہے) یہ اس لیے کہ تمہیں علم ہو جائے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز سے بہت واقف ہےo‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیات کی رو سے حرمت والے مہینے رجب، ذو القعدہ، ذوالحجہ اور محرم کی تعظیم وتکریم واجب ہے اور ان مہینوں میں کسی قسم کی جنگ، شرانگیزی اور فتنہ و فساد پھیلانا سوءِ ادب ہے۔ ان مہینوں کے اندر مخصوص نوافل و اوراد پڑھنے کی فضیلت پر ائمہ محدّثین نے کتب بھی لکھی ہیں۔

۹۔ تعظیمِ اَیامِ مقدسہ

اللہ رب العزت نے جس طرح سال کے مہینوں میں سے ۴ مہینوں کو محترم و مقدس قرار دیا اور ان کی تعظیم وتکریم اہلِ اسلام پر واجب فرمائی اسی طرح مہینوں کے بعض ایام کو بھی فضیلت حاصل ہے اور کسی نہ کسی مقدس نسبت کی وجہ سے ان کی تعظیم بھی واجب ہے۔ ان مقدس ایام میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) پیر کے دن کی تعظیم

پیر کا دن بڑی فضیلت والا ہے، یہ وہ دن ہے جس میں والیٔ کونین حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، چونکہ یہ دن سیدِ عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔ اس لئے اس دن کی تعظیم میں روزہ رکھنا باعثِ فضیلت ہے۔ جمعرات کی طرح اس دن بھی اعمال بارگاہِ خداوندی میں پیش کئے جاتے ہیں۔

www.MinhajBooks.com

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ۔(۱)

’’(بارگاہ رب العزت میں) پیر اور جمعرات کے روز اعمال پیش کئے جاتے ہیں پس مجھے یہ بات پسند ہے کہ جب میرے عمل پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں۔‘‘

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَتَحَرَّى صَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ۔(۲)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر اور جمعرات کو رزہ رکھا کرتے تھے۔‘‘

۳۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْإِثْنَيْنِ. فَقَالَ: فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الصوم عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء في صوم يوم الاثنين والخميس، ۳:۱۲۲، رقم: ۷۴۷
۲۔ نسائی، السنن، کتاب الصيام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۴:۲۰۱، رقم: ۲۳۵۸ (عن أسامه بن زيد)
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۰۱، رقم: ۲۱۸۰۱

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الصوم عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی صوم يوم الاثنين والخميس، ۳:۱۲۱، رقم: ۷۴۵
۲۔ نسائی، السنن، کتاب الصيام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۴:۲۰۲، رقم: ۲۳۶۰
۳۔ نسائی، السنن الكبرى، ۲:۱۲۱، رقم: ۲۶۷۹

أُنْزِلَ عَلَيَّ۔[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے سے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔''

(۲) یومِ جمعہ کی فضیلت

جمعہ المبارک وہ مبارک دن ہے جسے ہفتہ کے دیگر ایام پر فضیلت حاصل ہے۔ سابقہ شریعتوں میں اس کی تعیین نہ ہوسکی چنانچہ یہود ہفتہ اور نصاریٰ اتوار کے دن کو مقدس سمجھتے رہے۔ اللہ رب العزت نے امتِ محمدیہ ﷺ پر احسان فرمایا اور ان کو خصوصی طور پر جمعہ کی ہدایت و رہنمائی عطا فرمائی اور اس کا خصوصی ادب و احترام اور تعظیم وتکریم کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝[2]

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کیلئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ و نماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید و فروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۝''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر ......، ۲:۸۲۰، رقم: ۱۱۶۲

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الصوم، باب فى الصوم الدهر تطوعاً، ۲:۳۲۲، رقم: ۲۴۲۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۹۹، رقم: ۲۲۶۰۳

(۲) الجمعة، ۶۲:۹

یوم جمعہ کے فضائل بکثرت احادیث میں وارد ہیں ان میں سے کچھ ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، ثُمَّ هَذَا يَوْمُهُمُ الَّذِی فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ، فَهَدَانَا اللّٰهُ، فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ، اَلْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰی بَعْدَ غَدٍ(۱)

’’ہم دنیا میں آنے کے لحاظ سے پچھلے اور قیامت کے دن کے لحاظ سے پہلے ہیں سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب ملی (اور ہمیں ان کے بعد) یہی جمعہ وہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا (کہ اس کی تعظیم کریں) انہوں نے اس کی (تعیین) میں اختلاف کیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کا بتا دیا۔ دوسرے لوگ ہمارے تابع ہیں۔ یہود نے اس کے بعد دوسرے دن یعنی ہفتہ کو اور نصاریٰ نے تیسرے دن یعنی اتوار کو (باعثِ تقدس سمجھا)۔‘‘

۲۔ سنن ترمذی میں سیّدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آیت - ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾(۲) (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، ۱:۲۹۹، رقم: ۸۳۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، ۲:۵۸۶، رقم: ۸۵۵

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۷:۲۴، رقم: ۲۷۸۴

(۲) المائدة، ۵: ۳

مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔) - پڑھی۔ حضرت ابنِ عباس کے پاس ایک یہودی تھا اس نے یہ سن کر کہا:

لَوْ أُنْزِلَتْ هَذِهِ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَا يَوْمَهَا عِيْدًا، قَالَ ابْنَ عَبَّاسٍ: فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ، وَ يَوْمِ عَرَفَةَ۔(۱)

''اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو بطور عید مناتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ دو عیدوں کے دن ہی نازل ہوئی ہے، جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔''

۳۔ جمعہ کے احترام و تعظیم میں اس دن غسل کرنا، خوشبو لگانا اور مسواک کرنا باعثِ ثواب اور سنت ہے۔ سیّدنا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَتَطَهَّرُ مَاسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَّيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الإِمَامُ، اِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى۔(۲)

---

(۱) ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ المائدۃ، ۵:۲۵۰، رقم: ۳۰۴۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعہ، باب الدھن للجمعۃ، ۱:۳۰۱، رقم: ۸۴۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۴۳۸، رقم: ۲۳۷۶۱، ۵:۴۴۰، رقم: ۲۳۷۷۷

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶:۲۷۱، رقم: ۶۱۹۰

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس قدر طہارت کی استطاعت ہو کرے اور گھر میں میسر تیل یا خوشبو لگائے اور پھر نماز کو نکلے اور جو شخص جہاں بیٹھے ہوئے ہوں انہیں ہٹا کر بیچ میں نہ بیٹھے، پھر جو نماز اس پر فرض کی گئی ہے پڑھے اور امام جب خطبہ پڑھے تو خاموشی اختیار کرے تو اس کے ان گناہوں جو اس جمعہ اور اس سے اگلے جمعہ کے درمیان ہیں مغفرت و بخشش کی جاتی ہے۔''

۴۔ حضرت امام مالک بواسطہ حضرت عبید بن سباق روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا. وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَّمَسَّ مِنْهُ. وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَاكِ ۔(۱)

''اے مسلمانوں کے گروہ! بے شک اس دن (یعنی روز جمعہ) کو اللہ تعالیٰ نے عید بنایا ہے پس اس دن غسل کرو، جس کے پاس خوشبو ہو تو اسے لگا لینا مضر نہیں (یعنی خوشبو استعمال کرو) اور مسواک ضرور کرو۔''

علاوہ ازیں احادیثِ مبارکہ میں عیدین، یوم عاشورہ اور شبِ برأت کے مواقع کے خاص آداب و احترام اور اعمال صالحہ کی بجا آوری کا حکم اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ شرعاً ان ایام اور راتوں کی حرمت اور تعظیم کرنا ضروری ہے۔

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الطهارة، باب ما جاء في السواك، ۱:۶۵، رقم: ۱۴۴

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳:۳۷۲، رقم: ۳۴۳۳ (عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ)

۱۰۔ تعظیمِ اَماکنِ مقدسہ

(ا) مکہ مکرمہ کی حرمت اور فضیلت

مقدس اور بابرکت مقامات کی تعظیم و تکریم بھی نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ حرمین شریفین یعنی مکہ و مدینہ، ارض شام، کوہِ طور اور دیگر محترم مقامات کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○[1]

’’اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لئے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا، اور (حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنا لو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک (صاف) کر دو○‘‘

۲۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○[2]

’’بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہی جو مکہ

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۲۵

(۲) آل عمران، ۳: ۹۶، ۹۷

www.MinhajBooks.com

میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لئے (مرکزِ) ہےo اس میں کھلی نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) ابراہیم (علیہ السلام) کی جائے قیام ہے اور جو اس میں داخل ہوگیا امان پا گیا، اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اور جو (اس کا) منکر ہو تو بیشک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہےo‘‘

۳۔ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌo**[1]

’’اے ایمان والو! مشرکین تو سراپا نجاست ہیں سو وہ اپنے اس سال کے بعد (یعنی فتح مکہ کے بعد ۹ھ سے) مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں اور اگر تمہیں (تجارت میں کمی کے باعث) مفلسی کا ڈر ہے تو (گھبراؤ نہیں) عنقریب اللہ اگر چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے مالدار کر دے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہےo‘‘

۴۔ **اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ز وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَo**[2]

’’(آپ ان سے فرما دیجئے کہ) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہرِ (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے عزت و حرمت والا بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی (مِلک) ہے اور مجھے (یہ) حکم (بھی) دیا گیا ہے کہ میں (اللہ کے) فرماں برداروں میں رہوںo‘‘

---

(۱) التوبۃ، ۹: ۲۸

(۲) النمل، ۲۷: ۹۱

(۲) مدینہ منوّرہ کی حرمت و فضیلت

مکہ مکرمہ اہلِ ایمان کی تمام عقیدتوں کا مرکز و محور ہے۔ جس طرح حرمِ مکہ تقدس اور احترام کا مقام ہے اور وہاں بعض اُمور کا سرانجام دینا حرمِ مکہ کی حرمت کے منافی ہے، اسی طرح مدینہ منورہ بھی حرم ہے اور یہاں بھی اس کی عزت و احترام کے پیشِ نظر بعض افعال کی اجازت نہیں مثلاً شہرِ مدینہ ﷺ کے سرسبز درخت اور گھاس کا کاٹنا ممنوع ہے، شکار کرنے پر بھی پابندی ہے، جنگ کی خاطر اسلحہ اُٹھانا بھی ممنوع ہے۔ مکہ مکرمہ کو یہ اعزاز کعبۃ اللہ کی وجہ سے ملا اور مدینہ منورہ کو یہ اعزاز نسبتِ رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے حاصل ہوا۔ حرمت مدینہ کے حوالے سے بعض احادیث مبارکہ کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہوا۔ (مزید تفصیل کے لئے ہماری تصنیف ''شہر مدینہ اور زیارتِ رسول ﷺ'' ملاحظہ کریں)

(۳) مسجد اَقصیٰ کی حرمت وفضیلت

مسجد اقصیٰ کی حرمت وفضیلت کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ○[1]

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے○''

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۱

(۴) ملکِ شام کی حرمت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَo(۱)

’’اے میری قوم! (ملکِ شام یا بیت المقدس کی) اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پشت پر (پیچھے) نہ پلٹنا ورنہ تم نقصان اٹھانے والے بن کر پلٹو گےo‘‘

(۵) مقدس وادیٔ طویٰ کی حرمت

اللہ رب العزت نے جہاں کلیم اللہ حضرت موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ اس وادیٔ طویٰ کو بھی بابرکت بیان کیا:

۱۔ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیءِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَکَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَo(۲)

’’جب موسیٰ (علیہ السلام) وہاں پہنچے تو وادیٔ (طور) کے دائیں کنارے سے بابرکت مقام میں (واقع) ایک درخت سے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ ہوں (جو) تمام جہانوں کا پروردگار (ہوں)o‘‘

۲۔ اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیo(۳)

---

(۱) المائدة، ۵: ۲۱

(۲) القصص، ۲۸: ۳۰

(۳) النّٰزعٰت، ۷۹: ۱۶

’’(وہ وقت یاد فرمایئے) جب ان کے رب نے طوی کی مقدس وادی میں ان کو آواز دی ○‘‘

(٦) اہلِ مدینہ کی حرمت اور تعظیم

اہلِ مدینہ کو ڈرانے دھمکانے والے شخص کیلئے سخت وعید ہے۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَخَافَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَخَافَهُ اللهُ. (۱)

’’جو اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کرے گا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اسے خوف زدہ کرے گا۔‘‘

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساکنانِ مدینہ کے حقوق کو کسی مرحلے پر بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا بلکہ فرمایا کہ شہرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہریوں پر ظلم روا رکھنے والے کے فرائض اور نوافل بھی قبول نہیں ہوں گے۔

۲۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ! مَنْ ظَلَمَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ وَأَخَافَهُمْ فَأَخِفْهُمْ، وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفاً وَلَا عَدْلًا. (۲)

---

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۹:۵۵، رقم: ۳۷۳۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۵۵، ۵۶

۳۔ نسائی، السنن الكبرى، ۲: ۴۸۳، رقم: ۴۲۶۵

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۷:۱۴۴، رقم: ۶۶۳۶

۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴:۵۳، رقم: ۳۵۸۹

’’اے اللہ! جو بھی اہلِ مدینہ پر ظلم کرے یا انہیں ڈرائے تو تو انہیں ڈرا اور اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ فرائض قبول فرمائے گا نہ نوافل۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے شہرِ دلنواز مدینہ منورہ کے ساکنین کا ادب و احترام بھی آپ ﷺ کی نسبت وتعلق کی وجہ سے لازم ہے۔ جو ایسا نہیں کرے گا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔

۳۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

الْمَدِيْنَةُ مُهَاجَرِي وَ مَضْجَعِي فِي الْأَرْضِ، حَقٌّ عَلَى أُمَّتِي أَنْ يُكْرِمُوا جِيْرَانِي مَا اجْتَنَبُوا الْكَبَائِرَ، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخِبَالِ۔ (۱)

’’مدینہ میری ہجرت گاہ ہے اور روئے زمین میں سے میری آخری آرام گاہ ہے۔ میری امت پر لازم ہے کہ میرے ہمسایوں کی (اُس وقت تک) عزت و احترام کرے، جب تک اہلِ مدینہ کبائر کا اِرتکاب نہ کریں، اور جو ایسا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے (آخرت میں) پیپ ملا خون پلائے گا۔‘‘

قرآن و احادیث کے دلائل سے یہ امر واضح ہوا کہ مقاماتِ مقدسہ کا احترام بجالانا منشاء شریعت ہے۔ اِن کی تعظیم کو شرک کہنا سراسر جہالت ہے۔

اہلِ مدینہ سے برائی کرنا تو درکنار برائی کا اِرادہ کرنے والے کو بھی جہنم کی وعید

۳۔ دیلمی، مسند الفردوس، ۱: ۵۰۵، رقم: ۲۰۶۷

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۲۰۵، رقم: ۴۷۰

۲۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۳۰، رقم: ۱۳۰۱

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۳۱۰

سنائی گئی ہے۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَرَادَ أَهْلَ هَذِهِ الْبَلَدَةِ بِسُوْٓءٍ يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ، أَذَابَهُ اللهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ۔(۱)

''جو شخص اس شہر والوں (یعنی اہلِ مدینہ) کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے (دوزخ میں) اِس طرح پگھلائے گا جیسا کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔''

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب من أراد أهل المدينة بسوء أذابه الله، ۲: ۱۰۰۷، رقم: ۱۳۸۶

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب المناسك، باب فضل المدينة، ۲: ۱۰۳۹، رقم: ۳۱۱۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۷۹، ۳۰۹، ۳۵۷

فصل دوم

بعض ممنوع تعظیمات

۱۔ سجدۂ تعظیمی کی ممانعت

کسی کے آگے پیشانی کو زمین پر رکھنے کا عمل أقصیٰ غاية التعظیم یعنی انتہا درجے کے تذلل اور خضوع کا مظہر ہے، یہی سجدہ ہے، اگر اس عمل کے پیچھے نیت عبادت کی ہے تو پھر یہ شرک ہے۔ سابقہ شریعتوں میں تعظیمی سجدہ روا تھا۔ یہ سجدہ عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ محض ادب و تعظیم کے لئے ہوتا تھا۔ گویا پہلی اُمتوں میں سجدہ کرنا بھی غایۃ التعظیم یعنی عبادت کے درجے میں نہ تھا بلکہ تعظیماً تھا۔ شریعتِ محمدی ﷺ میں تعظیم کی اس شکل کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ آج بھی اگر اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی اور کو عبادت کے ارادے اور نیت سے سجدہ کیا جائے تو شرک ہو گا اور محض تعظیم و تکریم کی نیت ہو تو شریعتِ محمدی ﷺ میں یہ عمل حرام ہو گا یعنی نیت کے تبدیل ہونے سے یہ عمل شرک کی سطح سے نیچے حرام کی سطح پر آ جائے گا۔

اگر آج کوئی کسی نبی، ولی اور قطب غوث کے مزار پر حاضر ہو کر سجدۂ تعظیمی بجا لاتا ہے تو یہ عمل حرام ہے اگرچہ اس کا محرک اس بارگاہ کی تعظیم و تکریم ہی کیوں نہ ہو۔

عبادت کی نیت کے بغیر تعظیم و تکریم شرک نہیں

اَز روئے شرع کسی بھی عمل کا دارومدار اس کے پیچھے پوشیدہ نیت پر ہے۔ نیت ایسی چیز ہے جسے قریب کھڑا ہونے والا بھی نہیں جانتا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا نیت کرنے والے کو ہے۔ پس جو نیت ظاہر نہ ہو اس پر محض شک کی بنیاد پر شرک کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی مسلمان اور اس کے ایمان پر شرک کا فتویٰ

صادر کرے۔ اس لئے ازراہِ تعظیم کسی کو سجدہ کرنا بلاشبہ حرام ہے لیکن بغیر نیت کے اسے شرک یا عبادت نہیں کہا جائے گا۔

تعظیم و اِکرامِ آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم

حضرت آدم علیہ السلام نسلِ انسانی کے سب سے پہلے فرد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے نبی ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو جو علم دیا تھا اس کی تعظیم و تکریم کے لئے فرشتوں کو ان کے سامنے سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا، جس سے فرشتوں کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات میں سے چن لیا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًاo قَالَ اَرَاَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ۔(۱)

’’اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے کہا: کیا اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟o (اور شیطان یہ بھی کہنے لگا:) مجھے بتاؤ تو سہی کہ یہ وہ شخص ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟‘‘

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سربسجدہ ہونا عبادت نہیں بلکہ تعظیم و احترام کے بلند ترین درجے کا آئینہ دار تھا۔

اِبلیس کے خود ساختہ تصورِ توحید کا اَنجام

ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے پر ان کا مقام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نظر میں بلند ہوگیا اور وہ اِبلیس جس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا وہ ملعون ہوگیا۔ اگر سجدۂ

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۶۱، ۶۲

تعظیمی کا یہ عمل عبادت ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی فرشتوں کو اس کا حکم نہ دیتا۔ وہ جس نے بزعمِ خویش توحید کا علم بردار ہو کر حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا وہ ابد تک راندۂ درگاہِ الٰہی ہوگیا۔ ابلیس کا یہ خیال کہ وہ سجدے سے انکاری ہو کر موحّدِ اعظم بن جائے گا گمان باطل ثابت ہوا۔ دراصل اس کے انکار کا باعث یہ تکبر آمیز نظریہ تھا کہ آدم علیہ السلام ایک بشر ہے اور وہ اس سے برتر مخلوق ہے۔ ارشادِ ربانی کے مطابق اس نے شیخی بگارتے ہوئے کہا:

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ (۱)

’’اس نے (نبی کے ساتھ اپنا موازنہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور تو نے اسے مٹی سے بنایا ہے ۝‘‘

اس کا یہ تکبر اسے لے ڈوبا اور وہ طوقِ لعنت کا حق دار بن گیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
به زندانِ لعنت گرفتار کرد

(شیطان اپنے تکبر کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو گیا اور دائمی لعنت اس کے گلے کا ہار بن گئی۔)

جبکہ حکمِ ایزدی سے سجدہ کرنے والے فرشتے مقربان بارگاہِ خداوندی بن گئے۔ تمام فرشتوں نے اس ہستی کی تعظیم کی جس کی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تعظیم کرنے کا حکم دیا۔ ابلیس (ملعون) نے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جس کو اللہ عزوجل نے مٹی سے پیدا فرمایا۔ ابلیس مخلوق میں وہ پہلا فرد ہے جس نے دین کو اپنی رائے پر جانچا اور کہا ’’**اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ**‘‘ اور اس نے علت یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اس لئے آدم علیہ السلام کے احترام و اکرام کو اپنے لئے عار سمجھا اور تکبر

(۱) ص، ۳۸: ۷۶

کیا تو ابلیس اول المتکبرین بن گیا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اپنے جس برگزیدہ بندے کی عظمت بیان فرمائی، ابلیس لعین نے اس کی تعظیم نہ کی اور یہ انکارِ سجدہ بعینہٖ اللہ پاک کی حکم عدولی اور اس کے سامنے تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم فرشتوں کے مقابلہ میں ان کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے دیا تھا۔ شیطان ابلیس نے اپنے آپ کو موحدین میں شمار کیا مگر اس کی توحید نے اس کو کچھ بھی نفع نہ دیا اور سیدنا آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے دور ہوگئی۔

علمی اِستدلال

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ تعظیمی سجدہ تھا کوئی عبادت نہ تھی۔ اگر عبادت اور تعظیم میں فرق کئے بغیر اسے بھی سجدۂ عبادت مان لیا جائے تو کفر و ایمان کا فرق مٹ جاتا ہے۔ کوئی اعتراض کرسکتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانیت کی ابتدا ہی شرک سے کروائی کہ آدم کو سجدہ کرو (أستغفر اللہ)۔ آیتِ کریمہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے نظریے کے مطابق جس نے توحید کی لاج اس حد تک رکھی کہ اللہ تعالیٰ کی بھی بات نہیں مانی اور غیر کو سجدہ نہ کیا تو وہ کافر ہوگیا اور وہ جو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر گئے مقرب بنا لئے گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اب ضابطہ اور قانون بدل گیا ہے؟ کہ سجدہ کرنے والے کافر اور نہ کرنے والے مومن کہلاتے ہیں۔ ابلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں شرک نہیں کرتا مگر اس ایک سجدہ نہ کرنے پر اس کے سارے سجدے اور عبادتیں رائیگاں اور بے کار چلی گئیں۔ مطالعہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سجدۂ تعظیمی بجا لانے کا انکار حکمِ الٰہی سے انحراف اور نبی علیہ السلام کے ادب و تعظیم کا انکار تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرانے کی غرض و غایت

مفسرین نے عام طور پر اِس سجدے کی تین توجیہات بیان کی ہیں:

۱۔ یہ حکم سجدہ کے معروف شرعی معنی میں نہ تھا۔ بلکہ لغوی معنی کے لحاظ سے تعظیمی تھا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ تم آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم بجا لاؤ۔ ان کے سامنے اپنی عاجزی اور تواضع کے اظہار کے لئے جھک جاؤ اور خدمت و فرمانبرداری اختیار کرو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كان ذالك انحناء ولم يكن خرورًا على الذقن ۔(۱)

''یہ صرف جھکنا تھا، پیشانی کو زمین پر رکھنا نہ تھا۔''

امام آلوسیؒ نے بھی لکھا ہے:

ولم يكن فيه وضع الجباه بل كان مجرد تذلل و انقياد۔(۲)

''اس میں پیشانی زمین پر نہ رکھی گئی تھی بلکہ صرف جھکنا اور اِطاعت تھا۔''

۲۔ یہ حکم معروف شرعی معنی کے لحاظ سے باقاعدہ سجدہ کا تھا جس میں پیشانی بھی زمین پر لگائی گئی۔ لیکن یہ سجدہ توجہ تھا سجدۂ عبادت نہ تھا۔ کیونکہ عبادت تو ذات باری کے سوا کسی اور کے لئے ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی حیثیت قبلہ کی تھی اور فرشتوں نے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منہ کرکے باری تعالیٰ کو سجدہ ادا کیا۔ اس لحاظ سے ''**اسجدوا لآدم**'' کے حکم کا معنی یہ ہوا کہ

اسجدوا لي مستقبلين وجهُ اٰدم۔(۳)

''اے فرشتو! آدم علیہ السلام کی طرف چہرہ کرکے مجھے سجدہ کرو۔''

---

(۱) نسفی، مدارک التنزیل، ۱: ۴۲

(۲) آلوسی، روح المعانی، ۱: ۲۲۹

(۳) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۲۹۲

www.MinhajBooks.com

یہ کیوں کہا گیا۔ اس حوالے سے مزید فرماتے ہیں:

و کان اٰدم کالقبلة لنا۔(۱)

''اور آدم علیہ السلام اس سجدہ میں فرشتوں کے قبلہ کی مانند تھے (جس طرح ہمارے لیے کعبہ)۔''

اس موقف کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ توجہ کے طور پر سجدہ کیا جانا مان لیا جائے تو پھر فرشتوں پر فضیلتِ آدم ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ مسجود الیہ، ساجد سے افضل ہو۔ یہ عین ممکن ہے کہ قبلہ توجہ (جسے مسجود الیہ کہتے ہیں) کے مقابلے میں سجدہ کرنے والا خود زیادہ فضیلت اور بزرگی کا حامل ہو جیسے کعبۃ اللہ مسجود الیہ تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے تھے اب جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی تو درکنار آپ کے مزارِ اقدس میں جسد اطہر سے مس ہونے والی خاک کے ذرات بھی کعبۃ اللہ سے افضل اور اشرف ہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے مومنین کا درجہ بھی عنداللہ کعبہ معظّمہ سے بلند قرار دیا ہے۔ لہٰذا سجدہ توجہ کی دلیل سے فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت متحقق نہیں ہوتی۔ صرف حکم الٰہی کی تعمیل ہوتی ہے جب کہ سجدہ کا حکم بنیادی طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت و کرامت تسلیم کرانے کے لئے دیا گیا تھا۔ ائمہ تفسیر نے بہ صراحت لکھا ہے:

وإن ادم أفضل من هؤلاء الملائكة لأنه أعلم منهم، والأعلم أفضل لقوله تعالى: ﴿هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(۲) ...... لما أنباهم بالأسماء وعلمهم ما لم يعلموا

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۲۹۳

(۲) الزمر، ۳۹: ۹

www.MinhajBooks.com

أمرهم بالسجود له اعترافاً بفضله واداء لحقه، واعتذاراً عما قالوا فيه۔[1]

''بیشک آدم علیہ السلام ان تمام فرشتوں سے افضل تھے کیونکہ وہ ان سے زیادہ صاحبِ علم تھے اور جو زیادہ صاحبِ علم ہو وہ باری تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق دوسرے سے افضل ہوتا ہے۔ فرمایا: ''کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں؟'' چنانچہ جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو اشیاء کائنات کے اسماء بتادیئے اور اس طرح انہوں نے وہ کچھ بتادیا جو وہ فرشتے نہیں جانتے تھے تو باری تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرتِ آدم علیہ السلام کو ان کی فضیلت کے اعتراف میں اور ان کے حقِ بزرگی کی ادائیگی کے لئے اور جو کچھ انہوں نے تخلیقِ آدم علیہ السلام کی نسبت کہا تھا، اس کی معذرت کے طور پر سجدہ کریں۔''

بنابریں یہ خیال درست نہیں کہ سجدہ فی الحقیقت باری تعالیٰ کو کیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی حیثیت درمیان میں محض قبلہ کی تھی اگر یہ بات مان لی جائے تو اس سے محض منشاءِ ایزدی جو کہ فضیلت آدم علیہ السلام تسلیم کرانے کے لئے تھا اس کی تکمیل نہیں ہوتی۔

۳۔ اس سجدے کو سجدۂ تعظیم ماننے سے واضح طور پر منشاءِ ایزدی کی تعمیل ہو جاتی ہے کیونکہ تعظیمی سجدہ کا معنی یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا مسجود کی فضیلت اور کرامت کا معترف ہے۔

(۱) امام قرطبیؒ نے اپنا موقف ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

كان ذالك السجود تكريماً لادم و إظهارًا لفضله ۔[2]

---

(۱) بیضاوی، أنوار التنزیل و أسرار التأویل، ۱: ۸۶

(۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۲۹۳

''یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کی تکریم و تعظیم اور اظہارِ فضیلت کے لیے تھا۔''

(۲) امام ابن جریرؒ نے لکھا ہے:

وکان سجود الملائکة تکرمة لآدم۔(۱)

''ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا حضرت آدم علیہ السلام کی تکریم بجالانے کے لئے تھا۔''

(۳) امام بغویؒ لکھتے ہیں:

کان ذالك سجود تعظیم وتحیة لا سجود عبادة ۔(۲)

''یہ سجدہ تعظیم تھا، سجدۂ عبادت نہ تھا۔''

یہی موقف درست ہے۔ قرآن مجید کا سیاق و سباق بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ مزید برآں جب باری تعالیٰ نے شیطان سے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا:

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝(۳)

''میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ۝''

شیطان کا یہ جواب حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور برتری کے انکار پر مبنی ہے اس کا منشاء یہ تھا کہ جب میں اسے اپنے مقابلے میں افضل اور بزرگ و برتر تسلیم ہی نہیں کرتا تو سجدہ کیوں کروں؟

---

(۱) طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱: ۲۲۸

(۲) بغوی، معالم التنزیل، ۱: ۶۳

(۳) الأعراف، ۷: ۱۲

اِنسانی تاریخ کا پہلا جرم شرک نہیں ...... اِہانتِ نبوت تھا

اس سے واضح ہو گیا کہ حکمِ سجدہ، حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت و برتری کے اعتراف اور ان کی تعظیم و تکریم تسلیم کرانے کے لئے تھا۔ مقصود اس حقیقت کا اظہار تھا کہ قیامت تک جو لوگ شانِ نبوت کی تعظیم و تکریم بجالانے میں فرشتوں کی طرح کوئی پس و پیش نہیں کریں گے اور ہمیشہ دہلیزِ نبوت و رسالت پر اَدباً و اِکراماً جھکے رہیں گے انہیں بارگاہِ الٰہی میں قرب و منزلت عطا کی جائے گی اور جو لوگ شانِ نبوت کی تعظیم و تکریم بجالانے میں شیطان کی طرح پس و پیش کریں گے اور اعتراض و تنقید کی راہ اپنائیں گے وہ ہمیشہ کے لئے بارگاہِ الٰہی سے دھتکار دیئے جائیں گے۔ تنقیصِ رسالت کے بعد نہ ان کا عقیدۂ توحید مقبول رہے گا اور نہ ان کی عبادات و طاعات مقبول ہوں گی۔ ہم یہاں سجدۂ تعظیمی کی ایک اور مثال قرآن سے بیان کرتے ہیں۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام کا سجدۂ تعظیمی

سجدۂ تعظیمی کا عمل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بھی جائز تھا جیسا کہ سورۃ یوسف میں فرمایا:

وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ[1]

’’اور یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو اوپر تخت پر بٹھا لیا اور وہ (سب) یوسف (علیہ السلام) کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔‘‘

پہلے فرشتوں سے اللہ نے سجدہ کروایا اب دو پیغمبروں کی موجودگی میں سارے بھائیوں سے سجدہ کروایا جا رہا ہے۔ اگر یہ تعظیمی سجدہ شرک ہوتا تو (معاذ اللہ) کیا اللہ پاک نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے شرک کی تعلیم دی؟ اللہ کے نبی تو توحید کے داعی ہوتے

---

(۱) یوسف، ۱۲: ۱۰۰

ہیں۔ اگر یہ سجدہ شرک ہوتا یعنی عبادت ہوتی، تعظیم نہ ہوتی تو انہیں ضرور منع کر دیا جاتا۔ آیت کے الفاظ ''خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا'' بھی صریحاً سجدہ پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس میں کسی کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی کہ سجدے کی یہ کیفیت حالتِ رکوع، انحناء یا جھکاؤ پر مشتمل ہوگی۔ بلکہ یہ صرف بہ صرف سجدہ تھا اور یہ سجدہ تحیہ و تکریم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر ان کی شرافت و فضیلت ظاہر کرنے کی وجہ سے تھا اور ایسا کرنا ان کی شریعت میں شرک نہیں تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سجدۂ تعظیمی کی خواہش

سابقہ شرائع میں سجدہ تعظیمی جائز تھا۔ اس تناظر میں ہم ایک حدیث کا حوالہ دیں گے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اونٹ اور کچھ دوسرے جانوروں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سجدہ کرتے دیکھا تو ان کے دل میں بھی شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کیوں نہ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعظیماً سجدہ کریں حدیث مبارکہ میں ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ، فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهُ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: يَارَسُوْلَ اللهِ، تَسْجُدُ لَكَ البهائِمُ والشَّجَرُ، فَنَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ، فَقَالَ: اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، وَأَكْرِمُوْا أَخَاكُمْ، وَلَوْكُنْتُ آمِرًا أَحَداً أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔(۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین اور انصار کے کچھ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے: ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جانور اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہمارا

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۷٦، رقم: ۲۴۴۷۰

حق آپ کو سجدہ کرنے کا ان سے زیادہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا احترام کرو، اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''

شریعت کے واضح حکم کے باوجود صحابہ کے دل میں آپ ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی شدید خواہش تھی، لیکن شارع علیہ السلام نے ان کی اس خواہش کو سختی سے رد کر دیا۔ اس کی بجائے تعظیم کا حکم دیا گیا۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام گئے انہوں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے علماء اور حکام کو سجدہ کرتے دیکھا واپسی پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کو سجدہ کیا۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: لَمَّا قَدِمَ مُعَاذٌ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا هٰذَا يَا مُعَاذُ؟ قَالَ: أَتَيْتُ الشَّامَ فَوَافَقْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِأَسَاقِفَتِهِمْ وَبَطَارِقَتِهِمْ فَوَدِدْتُ فِي نَفْسِي أَنْ نَفْعَلَ ذٰلِكَ بِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: فَلَا تَفْعَلُوْا، فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِغَيْرِ اللهِ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔(۱)

''حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے روایت کیا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام سے آئے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جب میں شام پہنچا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے علماء اور حکام کو سجدہ کرتے دیکھا تو میرے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ ہم بھی آپ کو سجدہ کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة، ۱: ۵۹۵، رقم: ۱۸۵۳

ایسا ہرگز نہ کرو۔ اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔‘‘

اس حدیث سے یہی بات ثابت ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے دلوں میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعظیماً سجدہ کریں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا بھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد ازاں منع فرمایا اور سجدۂ تعظیمی کو بھی اپنی امت میں حرام قرار دے دیا۔

خلاصۂ بحث

سجدۂ تعظیمی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حرام ہے مگر شرک نہیں، اگر کوئی کسی کو تعظیماً سجدہ کر دے تو ایسا کرنے والا شرک کا نہیں بلکہ حرام کا مرتکب ہو گا۔ اگر تعظیماً سجدہ کرنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کبھی حکم نہ دیتا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا جاتا۔ شرک کبھی کسی امت میں جائز نہ تھا۔ قاعدہ اور کلیہ ہے کہ اگر قرآن مجید میں مذکور کسی امر کو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار نہیں دیا تو وہ امت کے لئے جائز ہے اگر کسی امر سے منع کر دیا گیا تو وہ پھر امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حرام اور مکروہِ تحریمی ہو گا یہی حال سجدہ تعظیمی کا ہے۔

۲۔ مزارات کے طواف اور من گھڑت تعظیمات

کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی مقام یا قبر کا طوافِ تعظیمی منع ہے۔اسی طرح بعض مزارات کے قریب بیری وغیرہ کے درخت ہوتے ہیں جن کے نیچے لوگ چادریں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ اگر بیر گرے تو اُس کا احترام بجا لاتے ہیں اور اُس سے روزہ افطار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ بیری کے پھل سے بیٹے کی فال نکالتے ہیں اور اگر پتے گریں تو بیٹیوں کی فال نکالتے ہیں۔ کوئی شخص خود بیر توڑ لے تو اُسے بھی بے ادبی و گستاخی سمجھ کر سخت برا گردانتے ہیں۔ یہ تمام اُمور توہم پرستی کو فروغ دینے والے اور بے بنیاد ہیں، شرعاً ان کی

کوئی اصل نہیں لہٰذا علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کریں۔

- اِسی طرح قبر بلا مقبور کی زیارت کرنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض جہلاء فرضی مزارات بنا کر اصل کی طرح اس کا ادب و احترام بجالاتے ہیں جس کی شریعت نے بالکل اجازت نہیں دی۔ جس طرح کہ بعض جگہ لوگوں نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے مزارات وغیرہ بنائے ہوئے ہیں جن پر عرس کرتے ہیں۔ محدّث بریلویؒ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا کہ ''پیرانِ پیرؒ کے نام سے بعض جگہ مزار بنا لیا گیا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اِن کے مزار کی اینٹ دفن ہے۔ اِس مزار میں ایسی جگہ جا کر عرس کرنا، چادر چڑھانا کیسا ہے وہ قابلِ تعظیم ہے یا نہیں؟'' آپ نے جواب دیا: ''جھوٹا مزار بنانا اور اُس کی تعظیم جائز نہیں۔''(۱)

- اِسی طرح بعض اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب ایسے درخت ہوتے ہیں جن کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوتا ہے کہ اِن کے کاٹنے سے صاحبانِ مزار ناراض ہو جاتے ہیں لہٰذا اِنہیں کاٹنا مقاماتِ حرم کی طرح حرام ہے۔ یہ سراسر جہالت ہے اور یہ بھی شرک فی التحریم ہے۔ اہلِ اسلام کو ایسے غلط عقائد سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سر پر چوٹی رکھ کر اس کی تعظیم کرنا

بعض جگہوں پر مرد سر پر چوٹی رکھ کر کسی بزرگ کے نام منسوب کرتے ہیں پھر احتراماً اسے نہیں کاٹتے یا ایک معینہ مدت کے بعد کاٹتے ہیں مگر اسطرح مردوں کا سر پر کسی بھی بزرگ کے نام پر چوٹی رکھنا اور پھر کٹوانے کی نذر و منت ماننا شرعاً جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ نے نہایت عمدہ لکھا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مرد کو چوٹی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقیر چوٹی رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حرام ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ

(۱) احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، ۴: ۱۲۲

مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔[1]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں، لعنت کی ہے۔‘‘[2]

اسی طرح بچوں کے سر پر اولیاء کے نام کی چوٹی رکھنے کے متعلق حضرت فاضل بریلویؒ لکھتے ہیں: ’’بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اِس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں۔ اِس میعاد تک کتنی ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں، پھر میعاد گذار کر مزار پر لے جا کر وہ بال اُتارتی ہیں تو یہ محض بے اصل و بدعت ہے۔‘‘[3]

مختلف درختوں میں اَرواحِ مقدسہ کے تصور سے تعظیم کرنا

کئی دیہاتوں میں بعض جہلاء درختوں کے ساتھ عجیب و غریب داستانیں وضع کئے ہوئے ہیں اور فرضی قصے کہانیاں سنا کر مجاور لوگ لنگر کے لئے تحائف و ہدایا اکٹھے کرتے ہیں۔ اِن سے متعلق محدث بریلویؒ سے مسئلہ پوچھا گیا:

’’کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت اِس صورت میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلاں طاق میں شہید مرد رہتے ہیں اور اُس درخت اور اُس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ، شیرینی اور چاول وغیرہ دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اِس شہر میں بہت جگہ واقع ہے، کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل؟‘‘

(۱) ابن ماجة، السنن، کتاب النکاح، باب فی المخنثین، ۱: ۶۱۴، رقم: ۱۹۰۴

(۲) احمد رضا خان، الملفوظ، ۲: ۱۰

(۳) احمد رضا خان، فتاوی افریقه، ۶۸

محدث بریلویؒ نے اس سے منع کرتے ہوئے جواب دیا:

’’یہ سب واہیات وخرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں اِن کا ازالہ لازم ہے۔ **ما أنزل الله بها من سلطان ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔**‘‘(۱)

۳۔ غیر شرعی حلف کا اِحترام منع ہے

شرعی حلف اللہ تعالیٰ کے نام کا ہوتا ہے تاہم فقہائے اُمت کے نزدیک کلام اللہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نام پر بھی حلف منعقد ہوجاتا ہے اور مستقبل میں کسی اَمر کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھانا اور پھر توڑ دینے کی صورت میں کفّارہ لازم ہو جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور کے نام کا حلف اُٹھائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اِس کی حرمت اور حیثیت اُسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی یا کلام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حلف کی، تو یہ عقیدہ اصلاح طلب ہے کیونکہ اعتقاداً کسی اور کے نام پر قسم کی حرمت کو اللہ تعالیٰ کی قسم کی مثل جاننا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص بوجہ جہالت یا سہواً کسی اور کی قسم اُٹھائے تو وہ شرعی حلف نہیں ہوگا اِس لئے اِس پر کفّارہ لازم نہیں۔

۴۔ ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز میں خود ساختہ تعظیمات

نذر و نیاز برائے ایصالِ ثواب اور گیارہویں شریف وغیرہ جیسے مباح مستحب اور مستحسن اُمور کے بارے میں بعض علاقوں میں بہت سی خود ساختہ تعظیمات بوجہ جہالت رواج پا گئی ہیں جو ازروئے شرع جائز نہیں مثلاً کوئی یہ کہے کہ اگر اُس نے گیارہویں کا دودھ نہ دیا تو اِس کی وجہ سے بھینس یا گائے مر جائے گی، وہ بیمار ہو جائے گی یا رزق کم ہو جائے گا، اولاد کی موت واقع ہو جائے گی، گھر میں نقصان ہو جائے گا۔ اِسی طرح کاروبار

(۱) احمد رضا خان، احکام شریعت، ۱: ۳۲

اور کھیتی میں بزرگوں کا حصہ یعنی زکوٰۃ اور عشر شرعی وغیرہ سے الگ بزرگوں کی سالانہ شیرینی جو عوام میں مروج ہے یہ شرعاً دینا تو جائز ہے لیکن نہ دینے پر توہم پرستی کو فروغ دینا جائز نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں بوجہ جہالت فروغ پا جاتی ہیں اور پھر لوگ اِن کے ساتھ نفع و نقصان کا عقیدہ وابستہ کر لیتے ہیں جو کہ شرک فی العبادت ہے لہٰذا اِن اُمور سے بچنا ضروری ہے۔

ائمہ اہلِ بیت اطہار کے لئے نیاز برائے ایصالِ ثواب مسلمانوں کا معمول ہے۔ اس عمل میں بھی بعض حالتوں میں افراط وتفریط کا عنصر موجود ہے۔ اس مستحب عمل کو بجا لانے والے اگر نذر کی طرح فرض اور واجب سمجھ کر اسے ادا کریں تو یہ بھی احکامِ شریعت سے انحراف ہے۔ اسی طرح اس کے ردِ عمل میں بعض لوگ اس مستحب عمل کو قطعی حرام اور شرک کے زمرے میں شامل کر کے ختمِ نیاز وغیرہ کا اہتمام کرنے والوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ عمل مستحب ہے اس میں حرمت اور شرک کی کوئی علت موجود نہیں ہوتی۔

ایسی نذر و نیاز کے ساتھ بعض لوگ اپنی طرف سے طرح طرح کی شرائط و حدود اور پابندیاں عائد کرتے ہیں مثلاً فلاں شخص کھا سکتا ہے، فلاں عورت نہیں کھا سکتی، گھر سے باہر لے جانا منع ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِسی طرح اولیاء اللہ کے نام جانوروں کو منسوب کر کے اُن کا احترام بجا لانا، اُن سے کوئی کام لینا شرعاً حرام سمجھنا اور اُن کی بے حرمتی کو بھی حرام سمجھنا ایسا عقیدہ شرک فی التحریم میں شمار ہوتا ہے اور یہ خود ساختہ تعظیمات ہیں جن کا حقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا عوام پر ایسی باریکیاں واضح کر دینی چاہئیں۔

خلاصۂ بحث

ہم نے موضوع زیرِ بحث کے تحت توحید اور تعظیم کا حقیقی تصور قرآن وسنت اور اقوال ائمہ حدیث وتفسیر کی روشنی میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ عبادت اور تعظیم برابر درجے کا عمل نہیں، ہاں! عبادت کے اندر تعظیم

کی آخری حد ضرور شامل ہے لیکن تعظیم کے لئے ضروری نہیں کہ وہ عبادت بھی ہو۔

دوسری بات یہ کہ عبادت ایک ایسا عظیم الشان عمل ہے جو فقط ذاتِ الہ کے لیے مختص ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس لائق ہے کہ اسکی عبادت کی جائے جب کہ ادب و احترام اور وہ تعظیم جو درجہ عبادت سے کم ہو بہت سوں کے لئے جائز ہے مثال کے طور پر ہم نے نص قرآنی سے بیان کیا کہ صفا و مروہ اورقربانی کے جانور شعائر اللہ ہیں اور ازروئے قرآن شعائر اللہ کی تعظیم عبادت ہے۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صفاء و مروہ جو درحقیقت دو پہاڑیاں ہیں اسی طرح قربانی کے جانور بھیڑ بکریاں اور گائے اونٹ بھی اللہ کی مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شعائر قرار دیا اس لئے مسلمان ان کی تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم عبادت ہے مگر ازخود ان اشیاء کی عبادت کوئی نہیں کرتا۔یعنی ان کی شرعی تعظیم تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے مگر ان کی عبادت شرک ہے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان امتیازات اور حدود قیودات کو سمجھا جائے تا کہ بلاوجہ کسی جائز عمل کو شرک قرار دے کر خود ہی مبتلائے کفر نہ ہوں۔ مثلاً فعلِ الٰہی اور فعلِ رسول کو اگر خالق ومخلوق کے اعتبار سے دیکھیں دو الگ الگ ذاتیں ہیں جن میں کوئی مماثلت مساوات اور ہمسری نہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے فعلِ رسول ﷺ کی تعظیم کو اپنے فعل کے ساتھ اکٹھا برابر درجہ میں بیان کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ (۱)

''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے **لَاتُقَدِّمُوْا** کے ذریعہ فعلِ رسول ﷺ کو اپنے فعل کے ساتھ برابر درجہ میں بیان کر دیا، حالانکہ اصل مقصود تو فعلِ رسول ﷺ سے تقدم کی ممانعت ہے۔ پس اگر کوئی شخص ان شرعی باریکیوں کو سمجھے بغیر محض عقل کی بناء پر

---

(۱) الحجرات، ۴۹:۱

www.MinhajBooks.com

جوشِ توحید میں مسلمانوں پر کفر و شرک کا فتویٰ لگائے تو وہ نصِ قرآنی سے انکار کی وجہ سے خود کفر کے دلدل میں پھنس جائے گا۔ علاوہ ازیں ہم نے ان ممنوع تعظیمات کا بھی ذکر کر دیا جو شرعاً حرام اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ تاکہ دونوں طرف کی انتہاء پسندیوں کو راہِ اعتدال پر لایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کے طفیل ہمیں فہم و حکمتِ دین عطا فرمائے اور امتِ مسلمہ کو انتشار و افتراق کی کیفیت سے بچائے۔ **آمین بجاہ سیّد المرسلین** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **آلوسی،** ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (م ۱۲۷۰ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني۔** بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۳۔ **ابن ابی دنیا،** ابو بکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن ابی الدنیا القرشی (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ **کتاب الأولیاء۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۱۴۱۳ھ۔

۴۔ **ابن ابی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۵۔ **ابن ابی العز دمشقی،** قاضی علی بن علی بن محمد (۷۹۲ھ)۔ **شرح العقیدۃ الطحاویۃ۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۴ھ۔

۶۔ **ابن احمد حکمی،** حافظ بن احمد بن علی (۱۳۴۲۔۱۳۷۷ھ/ ۱۹۲۳۔۱۹۵۸ء)۔ **أعلام السنۃ المنشورۃ۔** بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۷۔ **ابن اسحاق،** اسماعیل بن اسحاق المالکی (۱۹۹۔۲۸۲ھ)۔ **فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ۔** مدینہ منورہ، سعودی عرب: دار المدینۃ المنورہ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۸۔ **ابن تیمیہ،** احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **الصارم المسلول۔** بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ۱۴۱۷ھ۔

۹۔ **ابن تیمیہ،** احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **قاعدة فی المحبة۔** قاہرہ، مصر: مکتبۃ التراث الإسلامی۔

۱۰۔ **ابن جعد،** ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/ ۷۵۰۔ ۸۴۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۱۔ **ابن جوزی،** ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔ ۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **صفوة الصفوة۔** بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء

۱۲۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۱۳۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ **الثقات۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء۔

۱۴۔ **ابن سرایا،** محمد بن محمد علی بن ھمام (۶۷۷۔۷۴۵ھ)۔ **سلاح المؤمن فی الدعاء والذکر۔** بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۱۵۔ **ابن سعد،** ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/ ۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبری۔** بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۱۶۔ **ابن عساکر،** ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ **تاریخ دمشق الکبیر (تاریخ ابن عساکر)۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۷۔ **ابن فرحون،** ابراہیم بن علی بن محمد بن فرحون یعمری مالکی۔ **الدیباج المذهب فی معرفة أعیان علماء المذهب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۸۔ **ابن قیم،** محمد بن ابی بکر، ایوب الزرعی، أبو عبداللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **المنار**

المنیف۔ حلب، شام: مکتب المطبوعات الاسلامیہ،۱۴۰۳ھ۔

۱۹۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ،۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۲۰۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایة والنهایة**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۲۱۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۲۲۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامة ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری (۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۲۳۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۴۔ **ابو سعود**، محمد بن محمد العمادی (۹۵۱ھ)۔ **تفسیر إرشاد العقل السلیم إلی مزایا القرآن الکریم**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۵۔ **ابو القاسم قشیری**، عبدالکریم بن هوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد نیشاپوری (۳۷۶۔۴۶۵ھ/۹۸۶۔۱۰۷۳ء)۔ **الرسالة القشیریة (مترجم)**۔ اسلام آباد، پاکستان: ادارہ تحقیقات اسلامی۔

۲۶۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۲۷۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/

۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المسند۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۲۸۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۲۹۔ **اِسماعیل حقی**، علامہ اِسماعیل حقی حنفی (۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ کوئٹہ۔

۳۰۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء۔

۳۱۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۳۲۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۳۳۔ **بطرس**، معلم بستانی (۱۸۱۹ء۔۱۸۸۳ء)۔ **محیط المحیط**۔ بیروت لبنان: مکتبۃ لبنان، ۱۹۸۳ء۔

۳۴۔ **بغوی**، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۳۵۔ **بیضاوی**، ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی (۷۹۱ھ)۔ **أنوار التنزیل وأسرار التأویل**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء۔

۳۶۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبری**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز،

۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۳۷۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶٦ء)۔ **شعب الإيمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۳۸۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰٦٦ء)۔ **المدخل إلى السنن الكبرى**۔ کویت: دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۳۹۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

٤٠۔ جوھری، ابو نصر اسماعیل بن حماد الترکی (۳۳۲۔۳۹۳ھ)۔ **الصحاح فی اللغة والعلوم**۔ بیروت، لبنان: دار الحضارۃ العربیۃ، ۱۹۷۴ء۔

٤١۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرك على الصحيحين**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

٤٢۔ حلبی، علی بن برہان الدین (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ/۱۵٦۷۔۱٦۳۵ء)۔ **السيرة الحلبية / إنسان العيون فى سيرة الأمين المأمون**۔ بیروت، لبنان، دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

٤٣۔ حمیدی، ابو بکر عبد اللہ بن زبیر (م۲۱۹ھ/۸۳۴ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

٤٤۔ خازن، علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل (٦۷۸۔۷۴۱ھ/۱۲۷۹۔۱۳۴۰ء)۔ **لباب التأويل فى معانى التنزيل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

٤٥۔ دار قطنی، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰٦۔

۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

٤٦۔ **دارمی،** ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

٤٧۔ **دیلمی،** ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

٤٨ **ذہبی،** شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **تذکرة الحفاظ۔** حیدر آباد دکن، بھارت: دائرة المعارف العثمانیہ، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء۔

٤٩۔ **ذہبی،** شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **سیر أعلام النبلاء۔** بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

٥٠۔ **رازی،** الشیخ الامام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر حنفی (۶۶۰ھ)۔ **مختار الصحاح۔** بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء۔

٥١۔ **رازی،** محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **التفسیر الکبیر۔** تہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

٥٢۔ **راغب اصفہانی،** ابو قاسم حسین بن محمد (م۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ **المفردات۔** دمشق، شام: دار القلم + بیروت، لبنان، الدار الشامیہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

٥٣۔ **رویانی،** ابو بکر محمد بن ہارون (۳۰۷ھ)۔ **المسند۔** قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

٥٤۔ **زمخشری،** امام جاراللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔ **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل۔** قاھرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء۔

٥٥۔ **سبکی،** تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن

تمام انصاری (۶۸۳-۷۵۶ھ/۱۲۸۴-۱۳۵۵ء)۔ **شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام**۔ حیدر آباد، بھارت: دائرہ معارف نظامیہ، ۱۳۱۵ھ۔

۵۶۔ **سیوطی،** جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/۱۴۴۵- ۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفة۔

۵۷۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰-۱۸۳۴ء)۔ **فتح القدیر**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۵۸۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبة المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۵۹۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبة العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

۶۰۔ **طبرسی،** ابو علی فضل بن حسن۔ **مجمع البیان فی تفسیر القرآن**۔ قم، ایران: مطبعة العرفان، ۱۴۰۳ھ۔

۶۱۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴-۳۱۰ھ/۸۳۹-۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۶۲۔ **طیالسی،** ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳-۲۰۴ھ/ ۷۵۱-۸۱۹ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۶۳۔ **عبد بن حمید،** ابو محمد بن نصر الکسی (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مکتبة السنہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۶۴۔ **عبدالرزاق،** ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ/۷۴۴-۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

٦٥۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفاء ومزیل الإلباس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

٦٦۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **الإصابة فی تمییز الصحابة**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

٦٧۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

٦٨۔ **علی ہجویری**، ابوالحسن سید علی بن عثمان بن ابی الحسن جلالی غزنوی (۴۶۵ھ)۔ **کشف المحجوب** (مترجم)۔ لاہور، پاکستان: ضیاء القرآن۔

٦٩۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **إحیاء علوم الدین**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء۔

٧٠۔ **فراہیدی**، ابو عبدالرحمٰن خلیل بن احمد بصری (۱۰۰۔۱۷۵ھ)۔ **کتاب العین**۔ بیروت، لبنان: دار ومکتبۃ الھلال۔

٧١۔ **فیروز آبادی**، ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن ابی بکر بن احمد بن محمود (۷۲۹۔۸۱۷ھ/ ۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء)۔ **القاموس المحیط**۔ بیروت، لبنان: المؤسسۃ العربیہ۔

٧٢۔ **قاضی عیاض**، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **الشفا بتعریف حقوق المصطفی**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۷۳۔ **قاضی عیاض**، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷٦۔۵۴۴ھ/۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **الإلماع إلی معرفة اصول الروایة و تقیید السماع**۔ قاہرہ، مصر: دار التراث، ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۷٤۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷٥۔ **مالک**، ابن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطأ**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰٦ھ/۱۹۸۵ء۔

۷٦۔ **مزی**، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (٦٥۴۔۷۴۲ھ/۱۲٥٦۔۱۳۴۱ء)۔ **تهذیب الکمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۷۷۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰٦۔ ۲٦۱ھ/۸۲۱۔۸۷٥ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۸۔ **مقدسی**، شیخ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان حنبلی مقدسی (٥٦۷۔٦۴۳ھ)۔ **الأحایث المختارة**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النھضۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۷۹۔ **مقری**، ابو بکر محمد بن ابراہیم (۲۸٥۔۳۸۱ھ)۔ **الرخصة فی تقبیل الید**۔ ریاض: سعودی عرب، ۱۴۰۸ھ۔

۸۰۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹٥۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱٥۴٥۔۱٦۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ

کبریٰ، ۱۳۵٦ھ۔

۸۱۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔ ٦۵٦ھ/ ۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۸۲۔ **نحاس**، ابو جعفر احمد بن محمد بن اسماعیل (متوفی۳۳۸ھ)۔ **معانی القرآن الکریم**۔ مکہ مکرمہ: سعودی عرب: جامعہ ام القری، ۱۴۰۹ھ۔

۸۳۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱٦ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۸٤۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔**السنن الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۸۵۔ **نسفی**، عبداللہ بن محمود بن احمد نسفی (۷۱۰ھ) ۔**مدارك التنزیل وحقائق التأویل**۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

۸۷۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (٦۳۱۔٦۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ الاذکار۔ المطبعۃ الخیریہ، ۱۳۲۳ھ۔

۸۸۔ **واقدی، ابو عبد اللہ** محمد بن عمر بن واقد (۱۳۰ھ/ ۲۰٦ھ)۔ **فتوح الشام**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۸۹۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹۔

۹۰۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء) ۔**مجمع الزوائد ومنبع الفوائد** قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔